# گردن پہ لہو

پادری نوید ملک

گردن پہ لہو

پادری نوید ملک

## کچھ مصنف کے بارے میں

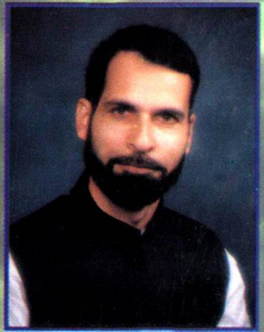

پادری نوید ملک صاحب نے 1962ء میں وطنِ عزیز کے ایک تاریک گوشے میں آنکھ کھولی۔ 1984ء میں آپ نے روحانی پیدائش پائی۔ مذہبی تعلیم کے حصول کے لئے آپ زیڈ۔بی۔آئی اٹک میں گئے اور 1987ء میں وہاں سے گریجویشن کی اور ڈپلومہ اِن تھیالوجی حاصل کیا۔ مزید حصولِ علم کے لئے آپ نے او۔ٹی۔ایس لاہور سے بی۔ٹی۔ایچ کی ڈگری حاصل کی۔ 1987ء سے آپ کراچی میں ہیں اور بپٹسٹ چرچ کے ساتھ آپ کی رفاقت ہے۔ 1992ء سے خاص رویا وبلاہٹ کے تحت آپ ایک ادارے بنام "نیو لائف انسٹیٹیوٹ" کے ذریعے ارشادِ اعظم کی تکمیل کر رہے ہیں۔ قریباً 24 کُتب کے تراجم کے علاوہ یہ کتاب آپ کی تیسری کاوش ہے۔ آپ کی تحریر کو نہ صرف اہلِ کلیسا بلکہ غیر مسیحی بھی بہت پسند کرتے ہیں۔ پادری صاحِب ایک اَچھے واعِظ، اَچھے اُستاد اور بہترین مترجم بھی ہیں۔ نہ صرف کتب کے ہی تراجم بلکہ دُنیا کے معروف خدّامِ دین کے ساتھ بڑے بڑے پروگراموں میں آپ ترجمہ بھی کرتے ہیں۔ آپ اہلِ کلیسیا کے دِلوں کی دھڑکن اور قیمتی اثاثہ ہیں۔ پادری صاحِب کو نہ صرف وطنِ عزیز میں بلکہ ملک سے باہر بھی متعدد بار انجیل کی گواہی دینے کا اعزاز حاصل ہوا۔ امریکہ کی دو یونیورسٹیوں نے آپ کی محنت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے دو اعزازی ڈگریاں دیں جن میں سے ایک ڈاکٹر اِن کمپیریٹو ریلجیئس اسٹڈیز اور دوسری ڈاکٹر اِن تھیالوجی ہے۔ آپ کراچی کے ہر روحانی اسٹیج کی زینت اور اہلِ کلیسا سے شاید ہی کوئی ہو جو آپ کو نہ جانتا ہو۔ اہلِ کلیسا کی طرف سے ابھی تک آپ کو سولہ ایوارڈ مِل چکے ہیں۔ اُردو و پنجابی شاعری سے آپ کو گہری دلچسپی ہے۔ مسز نوید ملک خواتین میں خِدمت گزاری کا کام کرتی ہیں اور یوں دونوں خداوند کے کھیت میں مصروفِ عمل ہیں۔ پادری صاحِب کراچی اور کراچی سے باہر 4۔ بائبل اسکولز میں بشارت سے متعلق کورس پڑھا چکے ہیں۔ دعا ہے کہ خداوند اِنہیں عمرِ دراز بخش کر اَپنے جلال کے لئے بکثرت استعمال فرمائے۔ آمین۔

برادر گلین پاٹر

# گردن پہ لہو

مصنف

پادری نوید ملک

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب ____ گردن پہ لہو

مصنف ____ پادری نوید ملک

بارِ سوم ____ اپریل 2007

تعداد ____ 1000

طابع ____ نیو مجاز پریس، فون: 2726425

قیمت ____ -/60 روپے

ناشر

**نیو لائف انسٹی ٹیوٹ**

پوسٹ بکس نمبر 17686، کراچی 75300



| نمبر شمار | فہرست مضامین | صفحہ نمبر |
|---|---|---|
| ۱۔ | انتساب | ۵ |
| ۲۔ | اظہارِ خیال | ۶ |
| ۳۔ | پیش لفظ | ۷ |
| ۴۔ | اہلِ کلیسیا کے لئے صدائے مسیحا | ۱۰ |
| ۵۔ | گزارش | ۱۱ |
| ۶۔ | بشارت کیا ہے؟ | ۱۳ |
| ۷۔ | پیغامِ بشارت | ۱۷ |
| ۸۔ | پیغام کا خاکہ | ۱۹ |
| ۹۔ | پیغامِ بشارت کی انفرادیت | ۲۲ |
| ۱۰۔ | صحتِ کتابِ مقدس | ۲۵ |
| ۱۱۔ | انجیلِ برنباس | ۳۴ |
| | **I۔ تصلیب و قیامت المسیح (حصہ اوّل)** | |
| | علم الکفارہ | ۳۸ |
| | **II۔ تصلیب و قیامت المسیح (حصہ دوم)** | |
| | کیا مسیح واقعی موا؟ | ۴۸ |
| ۱۲۔ | بنی نوع انسان کے گناہوں کا عوضی | ۵۴ |
| ۱۳۔ | یسوع مسیح خدا کا بیٹا (ابنِ خدا) | ۶۴ |
| ۱۴۔ | بشارت: ایک اہم ضرورت، اور اسے درپیش چیلنجز | ۷۰ |
| ۱۵۔ | بائبل مقدس اور بشارت | ۷۵ |
| ۱۶۔ | بشارتی کام کا ذمہ دار و مبشر کون؟ | ۸۰ |
| ۱۷۔ | بشارت کے ذرائع و طریقے | ۹۹ |

| صفحہ نمبر | فہرست مضامین | نمبر شمار |
|---|---|---|
| | i۔شخصی بشارت | |
| | ii۔اجتماع میں بشارت | |
| | iii۔بشارت بذریعہ لٹریچر وکارسپانڈنس انسٹیٹیوٹس | |
| | iv۔بشارت بذریعہ ریڈیو | |
| | v۔بشارت بذریعہ ٹیلی ویژن | |
| | vi۔بشارت بذریعہ انٹرنیٹ | |
| | vii۔بشارت بذریعہ فلم منسٹری | |
| | viii۔بشارت بذریعہ اخبارات | |
| | ix۔بشارت بذریعہ عملی مسیحی زندگی | |
| | x۔بشارت بذریعہ مالی معاونت | |
| | xi۔بشارت بذریعہ فلاحی امور | |
| ۱۱۷ | **بشارتی کام میں رکاوٹیں۔** | |
| | i۔اصل حقیقت | |
| | ii۔مواد میسر نہیں | |
| | iii۔احساسِ کمتری ودہشت کی روح | |
| | iv۔منفی سوچ | |
| | v۔مالی رُکاوٹ | |
| | vi۔عملی مسیحی زندگی کا بحران | |
| | ’’کیا دیکھ رہا ہوں‘‘ | |
| | vii۔ٹیچنگ وٹریننگ کا بحران | |
| ۱۲۵ | کتابیات | |




# انتساب

میں اس کتاب کو اُن کلیسیائی جیالوں کے نام کرتا ہوں جو دورِ رواں میں مسیح کی صلیب کے علمبردار، پیامبر اور مسیح خداوند کے عظیم گواہ اور اُس کے لہو سے تحریر کردہ زندہ خطوط، زمین کا نمک و دنیا کے نور اور مسیح کے ایلچی ہیں۔ یعنی وہ جو وطن عزیز کے ہر شخص سے محبت کرتے ہوئے پیغامِ حیات اُس تک پہنچاتے ہیں اور ارشادِ اعظم کی تکمیل کے لئے اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھے ہوئے ہیں۔ یہ وہی ہیں جو ستاروں کی طرح ابدالآباد روشن ہوں گے اور یہ وہی ہیں جنہوں نے پہچان لیا کہ زندگی کا تاج جان دینے تک وفادار رہنے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ میری دلی دعائیں اُن کے ساتھ ہیں۔

شبِ تاریک نہیں دن ہے جاؤ دنیا کو خبر دو
کہ قربتِ رب کے لئے گر راہ ہے تو صرف یسوع ہے

☆☆☆

# اظہارِ خیال

''انجیل کی گواہی دینے کے بوجھ کے تحت'' لکھی جانے والی زیرِ نظر کتاب ''گردن پہ لُہو'' پادری نوید ملک کی ایک گرانقدر تصنیف ہے جس میں انہوں نے اپنے تجربہ اور بشارت کی خدمات کا نچوڑ پیش کیا ہے۔ کلیسیاء کے لئے یہ اس لئے بھی انمول ہے کہ اس موضوع پر لکھی جانے والی کتب تقریباً نہ ہونے کے برابر ہیں اور اردو زبان میں بشارتی کتب ویسے بھی بہت کم ہیں۔

مصنف موصوف نے مسیحی تعلیم پر کئے جانے والے بہت سے اعتراضات کے جوابات بھی بڑے خوبصورت انداز میں بعض جگہ گفتگو کے انداز میں بعض جگہ مناظرانہ انداز میں تحریر کئے ہیں جو یقیناً مسیحی مبشروں کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوں گے۔ مسیحی عقیدہ کے چند نمایاں نکات کو بھی زیرِ بحث لایا گیا ہے تاکہ لوگ کتابِ مقدس کے مختلف عقائد کو بہتر طور پر سمجھ سکیں۔ اور ان کی روشنی میں ارشادِ اعظم کی تکمیل کے لئے بشارت کا اہم فریضہ ادا کر سکیں۔ صحتِ کتاب مقدس، تصلیب وقیامت المسیح، علم الکفارہ، خداوند یسوع مسیح کی ابنیت چند ایک ایسے موضوعات ہیں جن کی بڑے اچھے انداز میں وضاحت کی گئی ہے تاکہ معترضین کے اعتراضات کے جواب دیئے جا سکیں۔

بشارت کی راہ میں رکاوٹوں کا بطور خاص ذکر کیا گیا ہے لیکن اس سے پیشتر بشارت کے جملہ ذرائع اور طریقوں پر روشنی ڈالی گئی ہے جو یقیناً قارئین کے لئے مفید ومد ثابت ہونگے۔ میری دعا ہے کہ خدائے ذوالجلال مصنف کو اور زیادہ زورِ قلم عطا کرے اور اُن کی اس کاوش کو کلیسیائے پاکستان کے لئے پھلدار ٹھہرائے اور بہت سے لوگوں کے لئے برکت کا باعث بنائے۔ آمین!

از قلم۔ جیرلڈ مَل



# پیش لفظ

شروع کرتا ہوں خدائے قدوس و بزرگ و برتر کے نام سے جو ہماری سانسوں کا مالک اور قائم کرنے والا ہے۔

میرے لئے لاانتہا باعثِ افتخار بات ہے کہ ایک مرتبہ پھر پادری نوید ملک صاحب کی ایک اور کتاب کا پیش لفظ لکھ سکوں۔ میں اُن کی اِس شفقت کا نہایت شکرگزار ہوں کہ انہوں نے مجھ ناچیز سے ایسا کرنے کو کہا ورنہ علماو فقہا کی موجودگی میں بھلا میری کیا حیثیت ہے۔

جب بھائی نوید نے مجھے ''گردن پہ لُہو'' کا مسودہ پڑھنے کے لئے دیا تو میں گھنٹوں کتاب کے اِس عنوان میں غلطاں و پیاں رہا کہ پادری صاحب موصوف نے اپنی اس کتاب کے لئے اِس نام کا انتخاب کیوں کیا۔ آخر میں حکیم کی اس پکار میں کھو گیا جس کا اعلان ڈھونڈورچی چوک میں اونچی جگہ کھڑا ڈھول پیٹ کر کرتا ہے۔

،،حکمت کوچہ میں زور سے پکارتی ہے۔ وہ راستوں میں اپنی آواز بلند کرتی ہے۔ وہ پُرہجوم بازار میں چلاتی ہے۔ وہ پھاٹکوں کے مدخل پر اور شہر میں یہ کہتی ہے......'' (امثال 1:20-33)

میں نے محسوس کیا کہ مصنف کا ایک ایک لفظ چیخ چیخ کر مجھے میری غفلت اور ہٹ دھرمی سے اُسے مصلوب کرنے پر موردِ الزام ٹھہرا کر اَب موت کا فتویٰ دے رہا ہے۔ اور یہ انجانے میں مجھ سے نہیں ہوا۔ میں نے ہوش وحواس سے کس ڈھٹائی سے کھلے عام اقرار جرم کیا اور کس بے شرمی سے اُس بے گناہ کو پکڑوا کر اِس پر فخر بھی کیا۔ اگرچہ دو ہزار سال پہلے میں اُس ہجوم اور ہلڑ میں نہ تھا جس نے کہا ''اِس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر!'' (متی 27:25) لیکن آج میں نے یہ فتویٰ اپنے اوپر خود صادر کر لیا ہے جب میں نے اُس عظیم فریضہ کو سرانجام نہیں دیا جو زندگیوں کے مالک نے مجھے سونپا تھا'' جب میں شریر سے کہوں کہ تو یقیناً مرے گا اور تو اُسے آگاہ

نہ کرے...... میں اُس کے خون کی بازپُرس تجھ سے کروں گا۔" (حزقی ایل 18:3)۔ میں نے اُن مصلوب کرنے والے یہودیوں کے ساتھ مل کر بانگ دہل کہا ہے کہ "اس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر!" میں تو سزا کا دوگنا حق دار ہوں! انہوں نے تو شاید انجانے میں کیا لیکن میں جانتے بوجھتے یہ کر رہا ہوں۔

پادری صاحب کی یہ کتاب تازیانہ ہے ہمارے لئے جو غفلت و سستی کی نیند سو رہے ہیں۔ کاش اُن کے دل کی یہ پکار اور بلند اعلان ہمارے لئے مہمیز کا کام کرے اور ہم اَب بھی جان جائیں۔ اُن کا یہ پیغام ہمیں جھنجھوڑ رہا ہے۔ اور اگر آپ بھی ہم نہ جاگے، کمربستہ نہ ہوئے تو قصور ہمارا ہے۔ انجیل کے اِس خادم کا نہیں کیونکہ روح القدس نے جو پیغام اُنہیں ہمارے لئے دیا ہے۔ انہوں نے ہم تک پہنچا دیا۔ اب بازپُرس ہم سے ہو گی

سائنس کہتی ہے ہر انسان منفرد ہے۔ ہم ایک جیسے ہوتے بھی ہو بہو یکساں نہیں جیسے ایک درخت پر کروڑوں پتوں میں دو پتے بھی یکسر ایک جیسے نہیں۔ اِسی طرح مصنف کا بھی اپنا ایک جداگانہ انداز ہے۔ جنہوں نے اُنہیں کلام کرتے اور ترجمہ کرتے سنا ہے یقیناً جانتے ہیں کہ اُن کی بے ساختہ وضع تخاطب و تکلم ہمیں لبھا جاتے ہیں اور یہ بات اُن کی تصانیف میں بھی جا بجا دیکھتے ہیں۔ خدا کرے اُن کی یہ پُرخلوص باتیں ہمارے دل میں گھر کر جائیں، اُن کے اس کرب کو ہم محسوس کریں اور اُن کی نصیحتوں پر عمل پیرا ہوں۔

بشارت کی تعریف کرنے کے بعد انہوں نے اِس کتاب کی غرض و غایت بھی بیان کی ہے کیوں انہیں ایسی تصنیف تحریر کرنے کی ترغیب ملی۔ اوّلاً مواد کا نہ ہونا اور ثانیاً اگر ہے تو بہت کم اور پھر شاید ہم اُس تک رسائی کرنے سے قاصر ہیں۔ (اور پھر پڑھنے کی ہمیں عادت بھی تو نہیں!) انہوں نے بڑی سادگی سے ہمیں اعتراضات کے جواب دینا بھی سکھائے ہیں خصوصاً انجیلِ برنباس، تصلیب و قیامت، عوضی (علم الکفارہ)، ابنیتِ خدا، وغیرہ وغیرہ۔ للکاروں (چیلنجز) کے ساتھ انہوں نے خادم کی خصوصیات بھی بیان کی ہیں (۱) نئے سرے سے پیدائش کا تجربہ (۲) باعمل ہو (۳) ہر مسیحی مبشر ہے۔ (۴) نارسا تک رسائی (۵) ہر ایک بلایا ہوا ہے، یعنی بشارت کی



بلاہٹ ہم سب کو ہے (٦) اپنی اس بلاہٹ کو پہچانیں (٧) روحانی جنگجو ہو ٨) تربیت پانے والا اور تربیت دینے والا ہو (٩) صابر و بردبار ہو (٩) شیریں دہن (١٠) بائبل مقدس اور دیگر ادیان کی تعلیم سے شناسا ہو (١١) تکراری نہ ہو اور جواب دینے میں دیانت دار ہو (١٢) کھوئے ہوؤں کے لئے بوجھ رکھتا ہو۔

انہوں نے بجا طور پر فرمایا ہے کہ خدا بندے ڈھونڈتا ہے ہم طریقے ڈھونڈتے ہیں۔ امید ہے ہم اُن کی اِس پند و نصیحت سے استفادہ کر سکیں گے کہ اصطلاحات کیسے سمجھیں اور بروقت موثر طریقہ سے ہمارا بیان و انداز کیسا ہو، مثلاً سلام کرنا، بائبل کا تقدس، اللہ و علیہ السلام کا استعمال، گیت و پیغام کیا مفہوم رکھتے ہیں، ادب و آداب، اندازِ دعا وغیرہ۔ کس خوبصورتی سے انہوں نے اِس بات کو واضح کیا ہے کہ ہم بھیڑیں چوری نہ کریں بلکہ جنہوں نے ایک مرتبہ بھی خوشخبری نہیں سنی اُنکے پاس جائیں۔ احساس کمتری کا شکار نہ ہوں بلکہ دلیری سے بیان کریں کیونکہ ہمیں دہشت کی روح نہیں ملی منفی سوچ نہ رکھیں۔ غیر موثر خدمت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عملی زندگی کا بحران ہے۔

دعا کے باب میں ہمیں بہت سیکھنے اور اس میں ترقی کرنے کی ضرورت ہے۔ اور پادری صاحب کی تحریر کے اِس پیرائے نے "بشارتی کام کا ذمہ دار و مبشر کون ہے؟" مجھ پر گہرا اثر چھوڑا ہے۔ اس باب کے اندراجات نے مجھے بڑی ترغیب دی ہے، ذمہ داری کا احساس دلایا اور خوبصورتی سے عکاسی کی ہے کہ بشارت کو منہ تک لانے سے پہلے مجھے اُس کی تیاری گھٹنوں پر کرنی ہے۔ بیشک یہ کتنا درست ہے۔ انجیل کا ایک خادم کہا کرتا ہے کہ جو خادم رات کو سوتا ہے وہ صبح کام نہیں کر سکتا کیونکہ صبح کام کرنے کے لئے اُسے رات کو خدا سے ہوم ورک لینا ہے۔"

میری دعا ہے کہ پادری صاحب کی بشارت کے لئے یہ پکار آپ کے دل میں اُتر جائے تا کہ روز عدالت کو فناہ ہونے والی روحوں کی ذمہ داری مجھ پر اور آپ پر نہ آ جائے کہ اِن کا لہو تمہاری گردن پر ہے کیونکہ تم نے اُنہیں بروقت آگاہ کر کے ہلاکت سے نہیں بچایا۔

آپ کی خاک پا اور انجیل کا اسیر

**مقبول اندریاس**

# اہلِ کلیسیاء کے لئے صدائے مسیح

میرا فرمان تھا تم سے کہ اے اہلِ کلیسا — تم نور ہو دنیا کو منوّر کردو
لیکن لئے بن تیل کے ہاتھوں میں چراغ — کیسے ممکن ہے فضاؤں کو مسخر کر لو
ساتھ رہنے کا کیا عہد و آگاہ بھی کیا تھا — کہ کچھ پانے کو ہے کھونا یہ تصوّر کرلو
کوئی نوید ہو سننے کو ہے بیتاب یہ دنیا — اپنے ہر فعل سے یسوع کو منعکس کردو
بن میرے یہ زمانہ ہے بے رنگ و بو — اسے انجیل کی خوشبو سے معطر کر دو

نوید ملک



# گزارش

مسیح خداوند میں میرے عزیز بھائی بہنو!

میں آپ کے اس جذبے اور دلیری وجرات کے لئے خداوند کا شکرادا کرتے ہوئے آپ کے ذوقِ مطالعہ کی آپ کو داد دیتا ہوں۔ میں آپ کا ممنون ہوں کہ آپ نے کتابِ ہذا کو اس لئے اُٹھایا کہ آپ اپنے زیورِ علم میں مزید اضافہ کر سکیں! اور میں بھی آپ کو بھرپور یقین دلاتا ہوں کہ اس کتاب کے مطالعے کے بعد آپ بار بار وقت ڈھونڈیں گے کہ پھر سے اسے پڑھا جائے۔ اس کے اسباب میں یہ ہے کہ یہ کتاب ایک انمول تحفہ ہے اور اس لئے بھی کہ اس طرح کی کتب مارکیٹ میں میسّر نہیں ہیں۔ اور میں نے یہ بھی جانا کہ اس قسم کی کتب کی ہر زمانہ میں ضرورت رہی ہے اور پڑھنے والے حضرات وخواتین ہمیشہ ایسی کتب کے متلاشی رہے ہیں۔

میں نے کتابِ ہذا سرزمینِ پاکستان میں انجیل کی گواہی دینے کے بوجھ کے تحت تحریر کی۔ اس ضمن میں مجھے دعا کے علاوہ ماہرین کی کتب پڑھنے اور اُن کے ساتھ رفاقت رکھنے کا بھی اتفاق ہوا اور ساتھ ہی ساتھ میرا ذاتی طور پر غیر مسیحیوں میں کام کرنے کا دس سالہ مختصر سا تجربہ بھی ہے۔ اس عرصہ کے دوران میں نے اپنی اور دوسروں کی غلطیوں سے بھی سیکھا ہے۔ تو بھی اس سے ہرگز یہ مراد نہیں ہے کہ میں نے جو کچھ لکھا وہ حرفِ آخر ہے۔ ابھی بہت سی باتیں ہیں جو اس کتاب میں شامل کی جا سکتی تھیں جو اس وقت بھی مجھے یاد آ رہی ہیں اور پھر میں یہ بھی کہتا چلوں کہ ضروری نہیں ہے کہ آپ میرے ہر نقطے سے متفق ہو جائیں۔ میں نے تو بس بال گراؤنڈ میں پھینکی ہے اب اسے ٹھوکر لگانا یا نہ لگانا آپ کا اپنا فعل ہے اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ جب ہم مچھلی کھاتے ہیں تو کانٹے رہنے دیتے ہیں اور گوشت کھا جاتے ہیں۔ اسی طرح اس کتاب کی وہ باتیں جو کانٹوں کی طرح ہیں انہیں رہنے دیں اور جو گوشت ہے اُسے لے لیں۔

ارشادِ اعظم کی تکمیل کے لئے کلیسیائے پاکستان بہت پیچھے رہی۔ اس کی بھی کئی وجوہ

ہیں اور اُن میں سے ایک یہ کہ غیر مسیحیوں میں بشارت کا کام کرنے کے طریقوں پر سکھایا نہیں گیا۔ لوگ تو سیکھنا چاہتے ہیں مگر سکھانے والوں کی ہمیشہ کمی رہی ہے۔ چنانچہ میں نے اس عظیم ضرورت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کتاب پر کچھ کام کیا تا کہ میرے آسمانی دیس جانے سے پیشتر کلیسیا کے لئے کوئی تحفہ چھوڑ جاؤں۔ چنانچہ یہ کتاب میری شب و روز محنت کا نتیجہ ہے اور میں چاہوں گا کہ اسے ضائع نہ ہونے دیا جائے بلکہ آپ اس کا مطالعہ کر کے سرزمینِ پاکستان میں مسیح کے عظیم گواہ بنیں اور شمال سے جنوب تک اُس کی بادشاہی کا جھنڈا لہراتا ہوا دیکھیں۔

اعمال 8:1 میں مسیح خداوند نے فرمایا کہ روح القدس کے نزول پر تم قوت پاؤ گے (دلیر ہو جاؤ گے) تا کہ تم میری گواہی دے سکیں ذرا سوچیں کہ اگر روح القدس آپ میں ہے تو پھر کتنے لوگوں کو انجیل سنائی؟ اور اگر نہیں سنائی تو پھر اپنا انصاف خود کریں کہ پھر کیسے گواہ ہیں؟

میں نے جو کچھ اس کتاب میں لکھا وہ میرے شخصی مطالعہ، تجربہ، بزرگوں کی کتب و تجربات اور سب سے بڑھ کر یہ کہ روح القدس کی رہنمائی میں لکھا۔ میں نے اس موضوع کو سیمینارز اور بائبل اسکولوں میں پڑھایا اور کافی فائدہ مند ثابت ہوا۔ میں نے اہم سوالات کے جوابات بھی اس کتاب میں دیئے ہیں تا کہ آپ کی صحیح طور پر مدد کی جا سکے۔

اس کتاب کے تحریر کرنے میں اپنے بیوی بچوں کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے اپنے وقت میں سے مجھے وقت دیا کہ میں اس کاوش کو مکمل کر سکوں۔

میں اُن تمام حضرات و خواتین کا بھی نہایت ممنون ہوں جنہوں نے اس کتاب کے منظرِ عام پر آنے میں دعا کے ذریعہ، مال کے ذریعہ اور مشورہ جات اور مسودہ کے پڑھنے میں میری مدد کی۔ دعا ہے کہ خداوند آپ کو اس تاریک ترین زمانے میں روشن چراغ بنا کر اپنے جلال کے لئے استعمال کرے۔ (آمین)

مسیح میں آپ کا ہم خدمت
پادری نوید ملک
جنوری 2003ء



# بشارت کیا ہے؟

لفظ بشارت کے لغوی معنی ''خوشخبری'' یا ''مژدہ'' کے ہیں۔ ان دونوں سے مراد خوشی کی خبر ہی ہے۔ عام معنی کے اعتبار سے تو یہ کوئی بھی خوشخبری ہو سکتی ہے۔ مثلاً اولاد کا ہونا، ملازمت مل جانا، شادی ہونا، امتحانات میں کامیابی اور نہ صرف یہی باتیں ہیں بلکہ کئی اور ایسی باتیں ہیں جن کا تعلق خوشخبری سے ہے۔

لیکن جس خوشخبری کی ہم بات کرتے ہیں وہ ایسی نہیں ہے بلکہ ان تمام باتوں سے کہیں زیادہ بالاتر ہے۔ دیگر تمام خوشخبریاں کسی انفرادی شخص کے لئے، خاندان اور قوم و ملک و ملّت کے لئے ہو سکتی ہے لیکن یہ خوشخبری تمام نسلِ انسانی یعنی ساری دنیا کے لئے ہے۔ اس کے لئے ذات پات، رنگ و نسل، جغرافیائی حد بندیوں اور امیری غریبی کا کوئی مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ ان سب سے بڑھ کر ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ یہ خوشخبری خدا کی اپنی طرف سے جہانِ کُل کیلئے ہے۔ یہ اُس کا اظہار محبت ہے اور اس میں بشری ہاتھ نہیں ہے۔ یہ خوشخبری دیگر تمام اچھی خبروں میں لاثانی ہے اور اس کے سُننے جانے اور سنائے جانے کی ہر بشر کو ضرورت ہے۔

یہ خوشخبری ہر گنہگار شخص کے لئے اور بے منزل مسافر کے لئے ہے۔ یعنی ہر وہ شخص جو اپنے مستقبل سے متعلق بے خبر و نا امید ہے۔ یہ ایسے شخص کے لئے ہے جو نہیں جانتا کہ اگر آج وہ اس دنیا سے چلا جائے تو وہ کہاں جائے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر شخص کی دلی آرزو ہے کہ وہ جہنم میں نہیں بلکہ فردوسِ بریں میں اپنی ابدیت گزارے۔ اَب یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ آئندہ اوراق میں اس موضوع پر روشنی ڈالی جائے گی۔ لیکن ان مذکورہ

سطور میں صرف یہی بات پیش کی جائے گی کہ بشارت میں دی جانے والی خوشی کی خبر ہے کیا!

اس وسیع وعریض موضوع پر مجھے کئی کتب مطالعہ کرنے کا اتفاق ہوا، کئی سیمینارز اورنوجوانوں کی میٹنگز اور بائبل اسکولوں میں پڑھانے کا شرف بھی ملا۔ اور اپنے تجربات کے مطابق بھی کچھ تحریر کیا ہے۔ اس موضوع پر میں نے کئی بزرگانِ کلیسیاء سے بھی گفت وشنید کی۔ اور مجھے جب بھی کبھی یہ سوال پوچھنے کا اتفاق ہوا کہ ''بشارت کیا ہے؟'' تو مجھے مختلف جوابات ملے ہیں۔ ایسے جوابات بھی میرے علم میں اضافے کا سبب ہوئے اور یقیناً آپ کے علم میں بھی اضافے کا سبب ہی ہوں گے۔ ایسے جوابات کو آپ کی مدد کے لئے ذیل میں تحریر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

بشارت = خداوند کی بادشاہی کا اعلان کرنا ہے۔

بشارت = کلامِ مقدس کی منادی کرنا ہے۔

بشارت = لوگوں کو مسیح خداوند کے لئے جیتنا ہے۔

بشارت = کھوئے ہوؤں کو مسیح کے پاس لانا ہے۔

بشارت = خوشخبری سنانا ہے۔

بشارت = کسی بات کا اشتہار دینا، اعلان کرنا، منادی اور پرچار کرنا ہے۔

بشارت = کسی ایک بھکاری کا کسی دوسرے بھکاری کو یہ بتانا ہے کہ بھئی روٹی کہاں سے ملتی ہے۔

میرے ایک نہایت ہی رفیق اور بزرگ دوست نے کہا کہ

بشارت = ''کلام کو کلام کے ذریعہ کلام سے پیش کرنا ہے''

بشارت کے موضوع پہ ۱۹۱۹ء میں انگلینڈ میں آرچ بشپس کی ایک کانفرنس ہوئی بزرگوں نے اس سوال کے جواب میں کہ بشارت کیا ہے جو کچھ کہا میں اُس بیان کو آپ کی خدمت میں پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ ذیل میں وہ بیان ہے۔



''انجیل کو روح القدس کی قدرت سے اس طور پر پیش کرنا کہ لوگ مسیح پر ایمان لائیں کہ وہ اُن کا نجات دہندہ ہے اور پھر یوں وہ لوگ کلیسیائی رفاقت میں شامل ہوں اور یسوع مسیح کو اپنا مالک اور آقا جان کر اس کی خدمت کریں۔''

مندرجہ بالا بیان ایک ایسا بیان ہے جو تمام انجیلی کلیسیاؤں میں قابل قبول ہے۔ میں یہاں پر تھوڑی سی وضاحت کرتا چلا جاؤں کہ مسیح کو نجات دہندہ قبول کرنے والے لوگوں میں سے بھی بہت ہی کم ایسے لوگ ہیں جو اُسے اپنے خداوند (مالک) کے طور پر بھی قبول کرتے ہیں اور اُن کی زندگی خود بخود اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہوتی ہے کہ وہ کہاں تک اُسے اپنا مالک وآقا بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر وہ مالک ہے تو اُس کی خدمت کرنا بھی ضروری ہے اور اگر کوئی شخص اُس کی خدمت میں شریک نہیں ہے تو پھر اس سے یہ مراد ہوگی کہ یسوع کو اُس نے منجی کے طور پر تو قبول کیا ہے لیکن آقا و مالک کے طور پر قبول نہیں کیا (ملاکی 6:1)۔

جب میں خدمت سے متعلق بات کرتا ہوں تو پھر خدمتیں تو طرح طرح کی ہیں اور نعمتیں بھی طرح طرح کی ہیں لیکن یہ خدمت ایسی ہے کہ کسی بھی مسیحی کے پاس کوئی عذر نہیں ہے کہ وہ اس خدمت (بشارت) میں شریک نہ ہو۔ ہر مسیحی کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ وہ کھوئے ہوؤں کو بشارت دے، خوشخبری سنائے۔

میں نے ابھی تک بڑے اختصار کے ساتھ یہ بتانے کی کوشش کی کہ بشارت کیا ہے اور کسی حد تک ہمیں معلوم ہو بھی گیا ہے کہ اس کے معنیٰ کیا ہیں۔ آئیں ذرا ہم تھوڑا گہرے میں اُتر کر دیکھیں کہ بشارت میں پیش کیا جانے والا پیغام یعنی وہ خوشخبری کیا ہے جو ہم نے دوسروں کو سنانا ہے اور جسے لوگوں کے سننے کی ضرورت ہے۔ ہم جوں جوں گہرے میں اُتریں گے توں توں قیمتی جواہر کے خزائن ہمیں ملتے چلے جائیں گے اور جوں جوں ہم

آگے بڑھیں گے یہ مضمون وسیع تر ہوتا چلا جائے گا اور ہمیں بے شمار نئی باتوں کے سیکھنے کا اتفاق ہوگا۔ لہٰذا میں چاہوں گا کہ آپ بڑے صبر اور تحمل کے ساتھ سیکھنے کی روح رکھتے ہوئے اس کتاب کا مطالعہ کریں۔



# پیغامِ بشارت

درحقیقت لفظ ''انجیل'' کے معنی ہی خوشخبری کے ہیں اور اب یہاں پر تو میں سارا عہدِ جدید سنانے سے رہا مگر اصل میں جو خوشخبری ہے اُس کا نچوڑ یا جوس میں یہاں پر پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اس تعلق سے کرنتھسؔ کے نام پولسؔ رسول کے پہلے خط کے پندرھویں باب کی تیسری اور چوتھی آیات میں وہ بیان ہے جو خوشخبری کو پیش کرتا ہے۔ اور یہی انجیل کا خلاصہ ہے۔ وہ یوں ہے......

> ''چنانچہ میں نے سب سے پہلے تم کو وہی بات پہنچا دی جو مجھے پہنچی تھی
> کہ مسیح کتابِ مقدس کے مطابق ہمارے گناہوں کے لئے مُوا اور
> دفن ہوا اور تیسرے دن کتاب مقدس کے مطابق جی اُٹھا''۔
>
> (۱۔کرنتھیوں 4-3:15)

میں نے جب بھی کسی سے پوچھا کہ خوشخبری کیا ہے؟ تو شاید ہی کسی نے صحیح نشانے پر فائر کیا ہو۔ ہوائی فائر کرنے والے بہت ہیں لیکن صحیح نشانے پر یعنی ٹارگٹ پر فائر کرنے والے بہت کم ہیں۔ اور شاید ہی کوئی موقع ہوا ہو کہ کسی نے مذکورہ آیت کا حوالہ دیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ بھی اُن اشخاص میں سے ہی ایک ہوں جن کو مذکورہ سوال کا جواب معلوم نہیں ہے۔ خدا کے لئے لکیر کے فقیر نہ بنیں کیونکہ کئی پشتوں سے ہم ایسے ہی چلے آ رہے ہیں اور اب خوابِ غفلت میں مدہوش ہونے کا وقت نہیں بلکہ اَب ہوش میں آنے اور بیدار ہونے اور جاگنے کا وقت ہے۔ کتاب ہذا اسی صورت میں ہمارے لئے فائدہ مند ہو سکتی ہے کہ جب اس کا اطلاق اپنی زندگیوں پر کیا جائے ورنہ کوئی فائدہ نہیں ہے۔

یہ پیغام یا خوشخبری پولسؔ رسول کو خداوند کی طرف سے براہِ راست ملی تھی

(ا۔کرنتھیوں 1:15;23:11)اور یہ بھید اُس پر اُس وقت کھلا جب وہ دمشق کی راہ پر جا رہا تھا کہ خداوند مسیح نے اُس پر ظاہر ہو کر نہ صرف اُس کی مسیحیوں کے خلاف اُٹھنے والی آنکھیں بند کر کے نئی آنکھیں دے دیں جو مسیحیوں کے لئے محبت اور ترس سے بھری تھیں، نہ صرف اُس کے مسیحیوں کے خلاف دھڑکنے والے دل کو نکال کر وہاں نیا دل رکھ دیا جو مسیحیوں کے ساتھ دھڑکتا تھا بلکہ اُس کو وہ سب کچھ بنا بھی دیا جو اُسے مستقبل قریب اور بعید میں کرنا تھا۔ ایک لحاظ سے تو یوں لگتا ہے کہ خداوند نے اُسے بدل کر پل بھر میں سیمنری بھی کروادی اور ڈی۔ڈی کی ڈگری بھی دے دی اور بشارتِ انجیل کے لئے اُسے بھیج دیا کہ جا اور یہودیوں ،غیر قوموں، اور اعلیٰ حکام اور بادشاہوں کے سامنے انجیل پیش کرنے کے لئے تو میرا چُنا ہوا وسیلہ ہے۔اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ خداوند جب بلاتا ہے تو پھر جو کچھ کہنا ہوتا ہے وہ بتاتا بھی ہے اور یہ اُس کا وعدہ بھی ہے اور نئے نئے تجربات کے ذریعہ سے سکھاتا بھی ہے۔

آپ نے دیکھا کہ 1۔کرنتھیوں 15:3-4 کے مطابق اُس حوالے میں چار سچائیاں نظر آتی ہیں جو مسیحی ایمان کی بنیاد ہیں اور اہلِ مسیحیت ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑ سکتے۔اور وہ سچائیاں مندرجہ ذیل ہیں۔

نمبر۱۔ پیغام کیا ہے ؟ اس کا ذکر ہم نے کر دیا کہ وہ انجیل ہے اور انجیل یہ ہے کہ مسیح کتاب مقدس کے مطابق میرے گناہوں کے لئے موا، دفن ہوا اور پھر کتاب مقدس کے مطابق مُردوں میں سے جی اُٹھا۔

نمبر۲۔ یہ پیغام کتابِ مقدس کے مطابق ہے۔

نمبر۳۔ تصلیب وقیامت المسیح

نمبر۴۔ بنی نوع انسان کے گناہوں کے لئے۔

مندرجہ بالا چاروں نکات کسی مسیحی کے لئے خواہ وہ نئی پیدائش پایا ہوا ہو یا نہ ہو اُس کے لئے



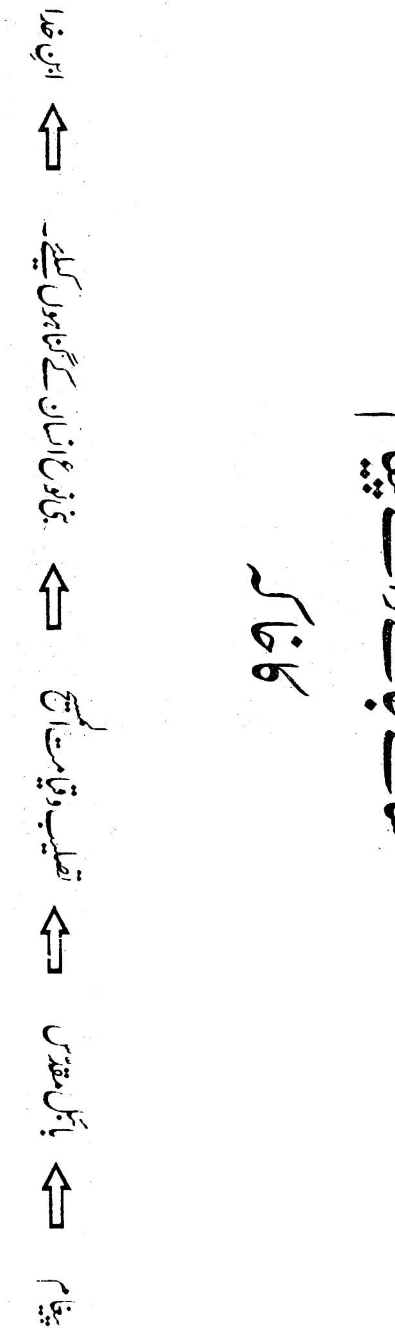

قبول کرنا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ گویا میں پیغام کے چار نکات کی بات کر رہا ہوں۔ لیکن جب یہی پیغام کسی غیر مسیحی کو سناتے ہیں تو وہ کس قسم کے ردِعمل کا اظہار کرتا ہے؟ جواب آپ کو دینا ہے۔

۱۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ پیغام تو سرے سے وہ قبول ہی نہیں کرے گا کیونکہ اس پیغام میں پائے جانے والے تین اہم نکات پر اُسے اعتراضات ہیں۔ اور جو اُس کے اعتراضات ہیں وہ اختصار کے ساتھ ذیل میں مندرج ہیں۔

۲۔ آپ کہتے ہیں کہ بائبل مقدس کے مطابق یہ سب کچھ ہوا تو آپ کی تو بائبل ہی بدلی ہوئی ہے، منسوخ ہو چکی ہے اور عیسائی راہبوں نے جو چاہا اپنی طرف سے موجودہ بائبل میں ڈال دیا اور یہ کتاب تو قابل اعتبار ہی نہیں ہے۔ لہذا اس کتاب کی باتیں قابل قبول نہیں ہیں۔ ان کو بھی آپ اپنے پاس ہی رکھیں اور جب آخری کتاب آ گئی تو سب کچھ اسی میں ہے اور آپ اس پر ایمان لاؤ۔

۳۔ آپ کہتے ہیں کہ مسیح مُوا، دفن ہوا، اور جی اُٹھا اور یہ بالکل غلط بات ہے کیونکہ مسیح علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ کے حبیب تھے اور صلیب پر وہ نہیں موئے بلکہ اُن کی شکل بدل گئی تھی اور اُن کی شکل کا کوئی اور شخص صلیب پر موا تھا۔ حضور المسیح تو زندہ آسمان پر اُٹھا لئے گئے تھے۔ دفن ہونے اور جی اُٹھنے کی تو بات ہی بعد کی ہے کیونکہ جب موت ہی نہیں آئی تو پھر دفن ہونے اور جی اُٹھنے کی تو کوئی تک ہی نہیں بنتی۔

۴۔ آپ کہتے ہیں کہ حضور المسیح ہمارے گناہوں کے لئے موئے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ گناہ زید کرے اور سزا بکر کو ملے۔ ضرور ہے جو گناہ کرے وہی سزا پائے کیونکہ یوں تو نعوذ باللہ خدا بے انصاف ہو گیا ہے۔ جبکہ ایسا نہیں ہے وہ عادل ہے۔



اب آپ نے ردِعمل کا اظہار تو دیکھ ہی لیا ہے کہ یہ پیغام جب دیتے ہیں تو پھر کس قسم کے سوالات اُٹھتے ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ جب تک ان سوالات کے جوابات نہ دوں اُس وقت تک آگے نہ بڑھوں اور ویسے بھی اس کتاب کے لکھے جانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ جو کچھ میں جانتا ہوں اُس کے مطابق میں کسی مسیحی بھائی کی اس طور پر مدد کر سکوں کہ وہ مؤثر طور پر انجیلِ مقدس کو کسی دوسرے کے سامنے بیان کر سکے اور پیش کر سکے۔ میں نے سکھاتے ہوئے دیکھا کہ یہ مضامین بہت سراہے گئے ہیں اور امید کرتا ہوں کہ آپ کے لئے بھی یہ بہت زیادہ فائدہ مند ہوں گے۔

آیئے ہم ایک ایک کر کے ان اعتراضات کے جرابات پر غور کریں اور اُس کے بعد بشارت کے پہلو کے دیگر کئی نکات پر ہم غور و خوض کریں گے جو نہایت ہی اہم نکات ہیں۔ لیکن اس سے قبل کہ میں یہ جوابات دوں پہلے اس پیغام کی حیثیت پر مختصراً غور کر لیں۔

# پیغامِ بشارت کی انفرادیت

اس پیغام کے نہایت ہی معتبر اور جامع ہونے کے چار ثبوت ہیں جن کا بیان کرنا میں یہاں پر نہایت ہی ضروری سمجھتا ہوں اور یہی وہ چار ایسے نکات اور حقائق و سچائیاں ہیں جو اسے منفرد ٹھہراتی ہیں۔

**نمبر ۱۔ یہ پیغام کتابِ مقدس کے مکاشفات پر مبنی ہے۔**

اس سے مراد یہ ہے کہ اس پیغام میں پائی جانے والی سچائیوں اور حقائق کی بنیاد عہد عتیق ہے کیونکہ اُس میں پیشنگوئیاں پائی جاتی ہیں۔ ذرا غور فرمائیے کہ 1۔کرنتھیوں 15:3-4 میں "کتابِ مقدس" کے الفاظ دو مرتبہ آئے ہیں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ جی ہاں اس کی وجہ یہی ہے کہ بنی نوع انسان کے لئے مسیح کا کفارہ اور پھر قیامت المسیح کا یہ سارا منصوبہ و پروگرام ایک دم یا حادثاتی طور پر نہیں ہوا بلکہ خدا نے ازل سے ہی اس کا انتظام کیا ہوا تھا۔

کبھی کبھی اچانک کوئی مہمان ہمارے گھر آ جائے اور روٹی تو ہو لیکن سالن نہ ہو تو میری بیوی بلدی سے آملیٹ بنالیتی ہے اور یقیناً ایسی باتیں آپ کے گھر میں بھی ہوتی ہی ہوں گی۔ تو گویا میں یہ کہہ رہا ہوں کہ ایسا نہیں ہوا کہ جب اور چھ نظر نہیں آیا تو پھر خدا نے کہا چلو آملیٹ ہی بنالیتا ہوں۔ اسے (مسیح) ہی پکڑ لو۔ نہیں جناب ایسا نہیں ہے۔ خدا کے علم میں تھا کہ آدم سے گناہ ہوگا اور اُس نے بنی آدم کی نجات کا انتظام بھی پہلے ہی سے کر دیا تھا۔ یہی تو سبب ہے کہ مسیح یسوع کو انجیلِ مقدس میں ازل سے ذبح کیا ہوا برّہ کہا گیا ہے۔ آپ مندرجہ ذیل حوالہ جات ضرور مطالعہ کریں (پیدائش 15:3; زبور 16: زبور 22; یسعیاہ 53; افسیوں 1:10-11; رومیوں 16:25; افسیوں 3:9; ططس 1:1; 2۔تیمتھیس 1:9; ۔پطرس 1:18-20; 1۔یوحنا 1:1-2) تو گویا میں مختصراً یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ انتظام الٰہی ہے اور یہ صرف انجیل مقدس کی ہی بات نہیں ہے بلکہ نبیوں نے پہلے ہی سے اس پیغام کی منادی کی اور پیشنگوئیاں کی ہیں۔



**نمبر ۲۔ اس پیغام کے تواریخی شواہد ہیں:**

اس سے مراد یہ ہے کہ اس پیغام میں پائے جانے والے مرکزی کردار یسوع مسیح کی لاثانی پیدائش، موت، تدفین اور جی اُٹھنے کے شواہد صرف کتاب مقدس میں ہی بطورِ پیشنگوئیاں نہیں ہیں بلکہ اس کے علاوہ اور بھی کئی ثانوی ثبوت ہیں جو کتابوں میں موجود ہیں۔ یہودی کتب اس عظیم واقعے سے متعلق کہتی ہیں کہ اسی طرح ہوا، رومی تاریخ بھی اس بات کا ثبوت ہے، تاریخِ انسانی بھی اس بات کا ثبوت ہے۔ آپ ان کتب کا اس موضوع کی مناسبت سے مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ واقعی یسوع مسیح نام کی کوئی عظیم شخصیت تھی جس کی پیدائش اور موت نرالی تھی۔ مسیح کی عصمت اور لاثانیت کی اسلامی کتب بھی گواہ ہیں۔

**نمبر ۳۔ یہ پیغام رسالتی ہے:**

اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ یہ ایک ایسا پیغام ہے جو صرف آج سنایا جا رہا ہے اور جو صرف آج کے انسان کی ضرورت ہے بلکہ یہ ایسا پیغام ہے جسکی منادی رسولوں نے کی، ابتدائی ایمانداروں نے کی اور آج بھی جن لوگوں کے دلوں میں کھوئے ہوئے لوگوں کیلئے محبت ہے وہ آج بھی اس پیغام کو پیش کرتے ہیں۔ اس پیغام کو سنائے جانے کے وسیلہ سے غیر اقوام بھی الٰہی خاندان میں شریک ہوئیں اور آج بھی ہو رہی ہیں اور یہ اپنے آپ میں جوں کی توں قدرت رکھتا ہے۔

**نمبر۱۱۔ یہ پیغام شخصی تجربات پر مبنی ہے:**

اس پیغام میں خدا کی قدرت پائی جاتی ہے اور یہ قابل فخر بھی ہے (رومیوں 16:1 )۔اس پیغام کو شخصی طور پر قبول کرنے سے نجات ملتی ہے (رومیوں10-9:10)۔ یہ پیغام ہر اُس شخص کے لئے ہے جو یہ قبول کرتا ہے کہ میں گنہگار ہوں اور ماسوا مسیح کے میرے لئے نجات یا فلاح و مکتی اور مخلصی کے حصول کے لئے اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔جس کسی کے تجربے میں یہ بات آئی تو اُس نے اسے دوسروں تک بھی پہنچایا کہ جیسے میری بگڑی بن گئی اسی طرح دوسروں کی بھی بن جائے۔ایسے بے شمار لوگوں کی گواہیاں ہیں جن میں بندہ بھی شامل ہے کہ جب یہ خوشخبری کا پیغام انہوں نے قبول کیا تو پھر چاہا کہ اس تجربے کو دوسروں سے بھی بیان کیا جائے اور ویسے بھی یہ کرنا ضروری ہے (2- تیمتھیس 2:2)۔



# صحتِ کتابِ مقدّس

مندرجہ بالا مضمون میں نے بڑی سوچ و بچار اور تحقیق اور دعا اور خداوند کے روح کی رہنمائی سے مانگا ہے۔یہ غیر مسیحی حضرات کا ایسا اعتراض ہے جو ہر روز ہمارے سننے میں آتا ہے کہ بائبل بدل گئی ہے اور اس سوال کا جواب دینا میں اپنے لئے شرف کی بات سمجھتا ہوں۔اور میں اس کتاب کے تحریر کرنے میں آگے بڑھ نہیں سکتا جب تک کہ میں اس مضمون پر کچھ لکھ نہ لوں۔

بائبل مقدّس دنیا میں چھپنے والی کتب میں سب سے زیادہ تعداد میں چھپتی ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتاب بھی بائبل مقدّس ہی ہے۔سب سے زیادہ اعتراضات بھی اسی کتاب پر کئے جاتے ہیں اور زندگیوں کو بدلنے کے لئے سب سے زیادہ اہم کتاب بھی یہی ہے۔صدیوں سے حملوں کی زد میں آنے کے باوجود اٹل چٹان کی طرح ثابت، مستحکم اور قائم ہے۔عہدِ حاضر میں سب سے زیادہ زبانوں میں ترجمہ ہونے والی کتاب بھی یہی ہے۔گنہگار انسان کے لئے امید بھی اسی کتاب میں اور درِ جنت میں داخلے کی نوید بھی اسی میں پائی جاتی ہے۔دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب بھی بائبل مقدس ہی ہے۔

بائبل مقدس کے معترض پر یہ بات سچی ثابت ہوئی ہے کہ جب انسان کسی شخص یا چیز سے آنکھیں پھیر لے تو پھر حقیقت میں بھی اُسے شک ہی نظر آئے گا۔لیکن یہ کتاب کوئی عام کتاب نہیں بلکہ کلامِ خدا ہے جس پر شک کی گنجائش ہی نہیں ہے اور اگر مخالفینِ بائبل مقدس نے ایسا کیا بھی تو اس کی صحت پر کچھ اثر نہیں پڑا۔اگر مخالفت ہوتی ہے تو سچ کی ہی ہوتی ہے جھوٹ کی مخالفت کرنے کا زمانہ نہیں ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ مخالفینِ بائبل مقدّس کے ساتھ کیا ہوا۔ابتدائی مسیحیت کے

زمانے میں ایک رومی شہنشاہ ڈائیوکلیشن اہلِ مسیحیت کا مخالف تھا۔ اُس نے یہ قانون جاری کیا کہ اگر کسی شخص کے پاس سے بائبل مقدس مل جائے تو اسے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا جائے گا۔ جونہی اُس کا دور ختم ہوا تو قسطنطین آیا اور اُس نے کہا کہ اتنی سختی کے باوجود اگر کسی کے پاس بائبل مقدس ابھی تک موجود ہو تو اُسے انعام دیا جائے گا۔ چنانچہ دو گھنٹوں کے اندر اندر تقریباً پچپن (55)، بائبلیں جمع ہو گئیں۔ مسیحیت کو جتنا زیادہ دبایا گیا اُس کی جڑیں اُتنی ہی مضبوط ہوئیں۔ اسی لئے تو کسی نے کہا کہ ''شہداء کا خون کلیسیا کا بیج ہے۔''

اٹھارہویں صدی عیسوی میں فرانس کے ایک نہایت ہی معروف ملحد والٹیئر نے دعویٰ کیا کہ 100 سال کے بعد بائبل مقدس کا نام بھی اس دنیا سے مٹ جائے گا۔ چنانچہ 1776ء میں وہ خود ختم ہو گیا اور جس چھاپہ خانے میں مسیحیت اور بائبل مقدس کے خلاف کتب چھپتی تھیں وہاں بائبل مقدس چھپنا شروع ہو گئی ہے۔

امریکہ کے ایک معروف بیدین رابرٹ انگرسول نے دعویٰ کیا کہ 25 پچیس سال بعد بائبل اور مسیحیت کا صفایا ہو جائے گا۔ چنانچہ 25 برس بعد وہ خود خاک میں جا ملا اور اُس کے گھر کی جگہ آج وائی۔ ایم۔ سی۔ اے کا دفتر ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ بائبل کے خلاف اُٹھنے والا ہر ہتھیار ٹوٹ گیا اور ہر منصوبہ فیل ہو گیا۔ ہر تدبیر اُلٹ گئی اور اسے نیست کرنے والے خود ایسے نیست ہوئے کہ اُن پر آنسو بہانے والا بھی کوئی نہ تھا۔ کئی تہذیبیں آئیں، بادشاہتیں اُبھریں اور طوفان آئے مگر بائبل مقدس پر آنچ نہیں آئی اور یہ کیوں نہ ہو کیونکہ مسیح یسوع نے خود اپنی مبارک زبان سے فرمایا کہ ایک شوشہ یا ایک نقطہ بھی پورا ہوئے بغیر نہ ٹلے گا (متی 17:5)۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کیونکہ انجیل شریف میں آیا ہے کہ ''ہر بشر گھاس کی مانند ہے اور اُس کی ساری شان وشوکت گھاس کے پھول کی مانند، گھاس تو سوکھ جاتی ہے اور پھول گر جاتا ہے لیکن خداوند کا کلام ابد تک قائم رہے گا'' (1۔پطرس 25,24:1)۔

لہٰذا کوئی بھی شخص کلامِ خدا پر شک کرتے ہوئے غضبِ الٰہی کو موقع نہ دے۔



بائبل مقدس پر پورا ایمان رکھتے ہوئے اس کا مطالعہ کریں اور دوسروں کو سکھائیں تاکہ آپ کا بھلا ہو۔ کوئی بھی شخص خدا تعالیٰ کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور نہ ہی ایسا کرنا چاہئے۔

بائبل مقدس ایک ایسی کتاب ہے جو چھیاسٹھ کتب کا مجموعہ ہے۔ یہ کتب تقریباً پندرہ سو سال کے عرصہ میں لکھی گئیں۔ خداوند نے ان کتب کے لکھنے کے لئے چالیس مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے انسانی مصنفین کو آلۂ کار بنا کر استعمال کیا۔ ان چھیاسٹھ کتب کو دو مختلف حصص میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ایک پرانا عہدنامہ اور دوسرا نیا عہدنامہ ہے۔ پرانے عہدنامے میں کل 39 کتب ہیں جبکہ نئے عہدنامے میں 27، کتب ہیں۔ نیز پرانے عہدنامے میں تورات، زبور، صحائف الانبیاء ہیں جبکہ نئے عہدنامہ میں انجیل مقدس ہے۔ کسی غیر مسیحی کو سمجھانے کے لئے ان چھیاسٹھ کتب کو ہم سپارے یا سورتیں بھی کہہ سکتے ہیں۔

پرانے عہدنامہ میں آدم و تخلیق کائنات سے لے کر ساری یہودی تاریخ اور مستقبل سے متعلق انبیاء کی نبوتیں ہیں۔ ان نبوتوں کا بیشتر حصہ مسیح کی ولادت، خدمت اور اُس کے دکھوں سے متعلق ہے اور اس تعلق سے زیادہ تر نبوتیں پوری ہو چکی ہیں۔ اس کتاب کے تحریر کرنے میں معجزہ یہ ہے کہ پندرہ سو سال کے عرصہ میں لکھی گئی اس کتاب کی کڑی سے کڑی ملتی ہے۔ اور اگر اس کے پیچھے الہام کی قدرت کارفرما نہ ہوتی تو یہ تواتر اور تسلسل قائم نہ رہتا۔ آج یہ کتاب ایسے لگتی ہے کہ گویا یہ ایک ہی کتاب ہے۔ علاوہ ازیں یہ کتاب عبرانی اور یونانی زبان میں تحریر ہوئی جبکہ کچھ حصہ ارامی میں بھی لکھا گیا۔

سب سے پہلے تو میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ خود بائبل مقدس اپنی بابت کیا کہتی ہے اور پھر میں اپنے بھائیوں کو اُن ہی کے دین کے مطابق جواب دینے کی سعی کروں گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس مضمون کے پڑھنے کے بعد ہر ذی شعور شخص کو یہ تسلی ہو جائے گی کہ بائبل مقدس اپنی اصل حالت میں ہے۔ میں تو کوئی کیچڑ اُچھالنے والا شخص ہوں نہیں اور ویسے بھی مسیح نے مجھے یہی درس دیا کہ میں اینٹ کا جواب پتھر سے نہ دوں بلکہ پھول سے

دوں۔ اور اگر میں ویسی زبان استعمال کروں بھی تو پھر میرے دوستوں میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں ہوگا اور دوسری بات یہ ہے کہ وطنِ عزیز میں کسی مسیحی کے لئے زبان قلم کے ذریعے پرواز کرنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا کہ کوئی کبوتر کٹے ہوئے پروں کے ساتھ اُڑنے کی کوشش کرے لہذا میں بڑی احتیاط سے اور بڑی سادہ سی زبان میں جواب دینے کی کوشش کروں گا اس موضوع پر علماءِ مسیحیت نے پہلے ہی کچھ تصانیف لکھی ہیں جو مسیحی کتب خانوں سے بہ آسانی مل سکتی ہیں۔

اہل یہود جب تورات، زبور وصحائف الانبیاء کی نقول تیار کرتے تھے تو چونکہ اُس وقت کوئی پرنٹنگ پریس تو تھی نہیں جس وجہ سے وہ صفحات کی گنتی کرتے، پھر یہ صفحے پر کی سطروں کی گنتی کرتے اور یہاں تک کہ الفاظ حروف کی بھی گنتی کرتے تھے تب اُنہیں جاکر تسلی ہوتی تھی کہ یہ نقل صحیح تیار ہوئی ہے کہ نہیں ورنہ اُس نقل کو ضائع کر دیا جاتا تھا۔ نیز یہ بھی کہ جب کبھی خدا کا نام اپنے قلم سے وہ لکھتے تو وہ نیا قلم استعمال کرتے تھے۔ اس معاملے میں وہ بہت محتاط تھے۔ چنانچہ چمڑے کے طوماروں اور رقوں پر لکھی گئی نقول کے ہزاروں نسخے آج بھی عجائب گھروں میں پائے جاتے ہیں جو بائبل مقدس کے عین مطابق ہیں۔ یہاں تک کہ بیسویں صدی میں بھی ایسے قدیم نسخے دریافت ہوئے ہیں جو موجودہ بائبل کے ساتھ میل کھاتے ہیں اور ان کے متن میں ذرا بھر بھی فرق نہیں ہے۔

خدا نے مردِ خدا موسیٰ کے ذریعہ سے قوم بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ ''میں جس بات کا تمہیں حکم دیتا ہوں اُس میں نہ تو تم کچھ بڑھانا اور نہ ہی کچھ گھٹانا تا کہ تم خداوند اپنے خدا کے احکام کو جو میں تم کو بتاتا ہوں مان سکو'' (استثنا 2:4)۔

استثنا 32:12 میں لکھا ہے کہ ''جس بات کا میں حکم کرتا ہوں تم احتیاط کر کے اُس پر عمل کرنا اور تم اُس میں نہ تو کچھ بڑھانا اور نہ اُس میں سے کچھ گھٹانا''۔

پھر سلیمان بن داؤد نے امثال 6-5:30 میں الہام کی روح سے فرمایا کہ ''خدا کا ہر ایک سخن پاک ہے وہ اُن کی سپر ہے جن کا توکل اُس پر ہے۔ تو اُس کے کلام میں کچھ نہ



بڑھانا مبادا وہ تجھ کو تنبیہ کرے اور تو جھوٹا ٹھہرے''۔

پھر خدا یسعیاہ کی معرفت سے فرماتا ہے کہ ''پھول کملاتا ہے گھاس مرجھاتی ہے پر ہمارے خدا کا کلام ابد تک قائم ہے'' (یسعیاہ 8:40)

پولس الہام کی رو سے 2- تیمتھیس 17,16:3 میں فرماتا ہے ''ہر ایک صحیفہ جو خدا کے الہام سے ہے تعلیم اور الزام اور اصلاح اور راستبازی میں تربیت کرنے کے لئے فائدہ مند بھی ہے تا کہ مردِ خدا کامل بنے اور ہر ایک نیک کام کے لئے بالکل تیار ہو جائے۔

پطرس الہام کی رو سے فرماتا ہے ''اور پہلے یہ جان لو کہ کتابِ مقدس کی کسی نبوّت کی بات کی تاویل کسی کے ذاتی اختیار پر موقوف نہیں کیونکہ نبوّت کی کوئی بات آدمی کی خواہش سے کبھی نہیں ہوئی بلکہ آدمی روح القدس کی تحریک کے سبب سے خدا کی طرف سے بولتے تھے''۔ (2- پطرس 21-20:1)

پھر خدا یوحنا عارف کی معرفت مکاشفہ 19-18:22 میں فرماتا ہے ''میں ہر ایک آدمی کے سامنے جو اس کتاب کی نبوّت کی باتوں کو سنتا ہے گواہی دیتا ہوں کہ اگر کوئی آدمی اُن میں سے کچھ بڑھائے تو خدا اس کتاب میں لکھی ہوئی آفتیں اُس پر نازل کرے گا اور اگر اس نبوّت کی کتاب کی باتوں میں سے کچھ نکال ڈالے تو خدا اُس زندگی کے درخت اور مقدس شہر میں سے جن کا اس کتاب میں ذکر ہے اُس کا حصہ نکال ڈالے گا''۔

اَب بات یہ ہے کہ خدا اپنے کلام کا محافظ خود ہی ہے اور خدا کے محافظ ہونے کے باوجود ڈاکہ پڑ جائے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ بائبل مقدس کا خدا اتنا کمزور نہیں ہے کہ اُسے معلوم ہی نہ ہو اور اُس کے گھر میں ڈاکہ پڑ جائے اور اُس کے کلام میں کوئی ردوبدل کر ڈالے۔ کیا خدا خود اپنے کلام کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ کیا آپ نے کبھی یہ شعر سنا کہ......

نورِ حق شمع الٰہی کو بجھا سکتا ہے کون
جس کا حامی ہو خدا اُس کو مٹا سکتا ہے کون

ایسا کون سا شخص ہوسکتا ہے جو خدا سے بھی زور آور ہو؟ یقیناً ایسا کوئی نہیں کر سکتا اور حقیقت تو یہ ہے کہ کوئی مسیحی کتاب مقدس کے مندرجہ بالا حوالہ جات پڑھنے کے باوجود ایسی گھناؤنی حرکت کیوں کرے گا۔ اور بالفرض کسی نے یہ فعلِ بد کیا بھی تو جاننے کی ضرورت ہے کہ معترضینِ بائبل کے پاس اس کا ثبوت کیا ہے کہ......

''فلاں شخص نے تبدیل کی یا فلاں سَن میں تبدیل ہوئی''

''اور اصل والی بائبل یہ ہے اور نقل والی مسیحیوں کے پاس ہے۔''

اور اگر مندرجہ بالا نقاط کا ثبوت نہیں ہے تو پھر یہ کفر کے کلمات ادا کر کے غضبِ الٰہی کو موقع نہ دیا جائے۔ ایسی بات جس کی بنیاد سنی سنائی بات پر اور جھوٹ پر ہو وہ آگے نہ پہنچائی جائے کیونکہ ایسی باتوں کے کوئی سر پاؤں نہیں ہوتے۔ ورنہ ایسی باتوں کے لئے خدائے بزرگ و برتر کی عدالت میں جواب دینے کے لئے تیار ہو جائیں جہاں ہر ایک بات کا حساب دینا پڑے گا۔

چونکہ یہ اعتراض میرے مسلمان بھائیوں کا ہے لہذا میں اُن ہی کی کتاب سے چند حوالہ جات دے کر بات کروں گا کیونکہ بائبل مقدس سے تو میں نے حوالہ جات دے دیئے ہیں کہ اُس میں کیا ہے۔ میں ایک طالب علم ہوں اور ہمیشہ مطالعہ کرتا رہتا ہوں اور قرآن حکیم کے علاوہ میرے پاس اور بھی کئی اسلامی کتب ہیں۔ اور میں ان سے بھی بہت کچھ سیکھتا رہتا ہوں۔ جہاں تک میرا مطالعہ ہے اُس کے مطابق مجھے تو قرآن حکیم میں کوئی ایسی آیت نہیں نظر آئی جس میں بائبل مقدس کی منسوخی یا تبدیلی کا ذکر آیا ہو اور اگر مجھے کچھ نظر آیا تو یہ کہ

☆ تورات و زبور و انجیل میں نور و ہدایت ہے۔

☆ قرآن مذکورہ کتب کا مصدق ہے۔

☆ کہا گیا کہ اُن کتب پر ایمان لاؤ ورنہ پرلے درجے کی گمراہی میں ہو گے۔



☆ یہ بھی کہا گیا کہ اہل کتاب اپنے فیصلے بذاتِ خود کریں۔

☆ اہل اسلام سے کہا گیا کہ کسی مسئلے کی سمجھ نہ آنے پر اہل کتاب کے پاس جاؤ۔ اور نہ صرف یہی ہے بلکہ ایمانِ مفصل اور مجمل میں بھی یہی جملہ آیا ہے ''میں ایمان لایا......اُن کتب پر''۔

اب جو بات میں کہہ رہا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ 571ء میں تشریف لائے۔ اور اگر میں یہ کہوں کہ قرآن پاک انجیل مقدس سے تقریباً 600 برس بعد آیا تو اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے اور ہم خواہ مسیحی ہیں یا مسلمان اس حقیقت کو سمجھتے ہیں کہ تورات شریف تو انجیل مقدس سے بھی بہت پہلے آئی ہے۔ اور بعد میں قرآنِ حکیم آ کر کتب سابقہ کی تصدیق کرتا ہے تو اِس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآنِ شریف کے آنے تک تو انجیل و تورات اپنی اصل حالت میں تھیں اور قابل بھروسہ و قابلِ اعتبار تھیں۔ اور اگر یہ کتب اپنی اصل حالت میں نہ ہوتیں تو قرآنِ حکیم کبھی ایسی کتب کی تصدیق نہ کرتا جو بدل چکی اور منسوخ ہو چکی تھیں۔

ویسے یہ مثال بھی اچھی ہے کہ اگر مجھے کسی بندے کی تصدیق کے لئے کہا جائے جو بندہ قابل اعتبار ہی نہیں تو میں تو کبھی ایسے شخص کی تصدیق نہ کروں گا کیونکہ ایسے شخص کی تصدیق کرنے سے میں خود بھی کسی وقت پھنس سکتا ہوں۔ لہذا تصدیق اُسی کی، کی جاتی ہے جو قابلِ بھروسہ ہو۔ اسی لئے تو میں یہ کہتا ہوں کہ قرآنِ حکیم تو خود بھی کتبِ سابقہ کی تصدیق کرتا ہے۔ یوں ہم قرآن حکیم کو بنیاد بنا کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ بائبل مقدس بدل چکی ہے۔ تاہم اس نتیجے پر ہم پہنچے ہیں کہ اسلام کی آمد تک یہ کتب اپنی اصل حالت میں تھیں اور قابلِ اعتبار تھیں اور اُس وقت تک اِن میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا اُس کے بعد یہ گھناؤنی حرکت کسی نے کی ہوگی کہ نہیں یا بعد میں کسی نے بائبل مقدس کو تبدیل کر دیا ہو؟ یعنی کیا یہ ممکن ہے کہ قرآنِ حکیم نے تو تصدیق کر دی مگر بعد میں ان کتب میں تبدیلی لائی گئی ہو؟

عرض یہ ہے کہ اگر بعد میں یہ تبدیلی لائی گئی تو کیا یہ ممکن ہے؟ جبکہ چھ صدیوں کا عرصہ تھوڑا نہیں ہوتا یہ چھ سو سال ہوتے ہیں اور ان چھ سو سالوں میں کیا مسیحیت کسی ایک ہی گھر تک محدود ہوئی ہوگی؟ نہیں بلکہ اُس وقت تک مسیحیت دنیا کے بیشتر براعظموں تک پھیل چکی تھی۔ اور اگر فرض کریں کہ بعد از آمدِ اسلام کسی نے یہ بیہمانہ حرکت کی تو اُس نے اپنی ہی بائبل میں کی ہوگی ناں۔ ساری دنیا کو تو اپنے پیچھے نہیں لگا سکتا تھا۔ اگر اُس کا کوئی ساتھ دیتا تو اُس کا کوئی دوست یا بھائی دے سکتا تھا حالانکہ یہ اتنا آسان نہیں ہے کیونکہ جس معاشرے میں ہم رہتے ہیں اُس میں تو بھائی بھائی کا نہیں بنتا تو سارے دنیا کے مسیحیوں کو اس فعلِ بد میں شریک کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔ یہ بات بعید القیاس ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی مسیحی مختلف تہذیبوں، معاشروں اور اہلِ زبان کو اپنی طرف مائل کر سکتا۔ چنانچہ یہ ثابت ہوا کہ اگر قبل از اسلام بائبل مقدس اپنی اصل حالت میں تھی تو وہ آج بھی اپنی اصل حالت میں ہے۔

یہ بات ویسے بھی بڑی معتبر ہے کہ اللہ کا کلام بدلا نہیں کرتا اور اس بات کو تو سارے ہی اہل کتاب تسلیم کرتے ہیں۔ اگر ابھی بھی تسلی نہ ہو تو پیسہ اور وقت ایثار کر کے عجائب گھروں میں جائیے، عبرانی اور یونانی سیکھ کر قدیم نسخوں کا مطالعہ کیجئے۔

یہ بات تو میں بھی قبول کرتا ہوں کہ جو بائبل میرے پاس ہے اُس میں پرنٹنگ کی اور کتابت کی اغلاط ہو سکتی ہیں کیونکہ یہ وہ اصل بائبل نہیں ہے بلکہ اردو ترجمہ ہے لیکن ان معمولی نکات کی وجہ سے اصل مفہوم تبدیل نہیں ہوتا۔

کوئی بھی کتاب لکھی لکھائی آسمان سے براہ راست نازل نہیں ہوتی۔ پس خدا نے کلام کیا اور مخصوص بندوں نے اپنی زبان، اپنے الفاظ اور اپنی ثقافت کے مطابق اُسے لکھا۔ مسیحی ایمان کے مطابق یہ بھی انہوں نے خدا کے روح کی تحریک سے اور الہام سے لکھا۔ اس تعلق سے میں پہلے ہی حوالہ جات آپ کی نذر کر چکا ہوں۔

آخر پر میں صرف یہی کہوں گا کہ مندرجہ بالا حقائق کے پیش کرنے کے باوجود اگر



ابھی تک آپ کا ذہن صاف نہیں ہوا تو پھر دعائے دل۔ کہ خدا ہی آپ کے دل کی زمین کو نرم فرمائے۔ (آمین)

بہت سی حقائق میں سے ایک سبق جو سیکھا ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی بھی شخص بحث کرتا ہے تو اُسے منوانا ہمارا کام نہیں ہے۔ سچائی کا اشتہار دینا تو ہمارا کام ہے مگر قبول کروا کر چھوڑنا کم از کم ہمارے بس کی بات نہیں ہے اور اگر خدا چشمِ بینا عنایت فرمائے تو نابینا بھی دیکھنے لگتے ہیں۔

اگر میں کہوں کہ کوّے کا رنگ سفید ہوتا ہے اور دودھ کا رنگ نیلا ہوتا ہے اور بلّی خربوزے کی طرح ہوتی ہے تو یہ باتیں حقیقت اور فطرت کے برخلاف ہیں اور لوگ مجھے احمق ہی کہیں گے۔ آپ سمجھاتے رہیں کہ نہیں یہ ایسے نہیں بلکہ ایسے ہے تو چونکہ میں نہیں مانتا اس لئے آپ کہیں گے کہ جا بھئی جا اور جا کر نیلا دودھ اور سفید کوّا اور وہ بلّی جو خربوزے کی طرح ہوتی ہے وہ لے کر آ پھر فیصلہ ہو جائے گا۔ اب آپ ہی بتائیں کہ میں یہ کہاں سے لاؤں گا؟ مجھے یہ نہیں ملیں گے میں فضول بحث کرتا ہوں جو غلط اور بے بنیاد ہے۔ یہی حال اُن لوگوں کا ہے جو تحریفِ بائبل کا سوال گلے لگائے ہیں اور ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے فضول بحث کرتے ہیں جس سے کبھی کچھ نہیں نکلتا۔ ہاں یہاں پر وہ ایک نیا شوشہ چھوڑتے ہیں اور وہ انجیل برنباس کا ہے۔

# انجیلِ برنباس

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ وقت کو غنیمت جانتے ہوئے اس موضوع پر بھی کچھ کہتا چلوں تا کہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ حقیقت کیا ہے۔

اس انجیل کو اگر میں بھی ایک معروف مسیحی عالم پروفیسر یوسف جلیل صاحب کی طرح ''جعلی انجیلِ برنباس'' کہوں تو زیادہ موزوں گا۔ ویسے تو ماسٹر برکت اے خان صاحب جو سیالکوٹ سے ہیں انہوں نے بھی اس موضوع پر قلم اُٹھائی جس کا نام ''تبصرہٗ انجیلِ برنباس'' ہے۔ میں نے اس موضوع پر قلم اٹھانے کے لئے ان دونوں کتب سے مدد لی ہے تا کہ میں آپ کی خدمت میں معتبر معلومات فراہم کر سکوں۔

اس انجیل سے متعلق علماء کی مختلف آراء ہیں کہ یہ انجیل اصل میں کس نے لکھی اور کب لکھی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اسے کسی ہسپانوی مسلمان نے لکھا۔ کیونکہ جب اس انجیل کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اندازِ تحریر کسی ایسے مسلمان شخص کا ہے جو اسلام اور احادیث سے کسی حد تک واقف تھا۔

دوسرا خیال یہ ہے کہ اس انجیل کا مصنف کوئی یہودی ہے جو پہلے مسیحی ہوا اور پھر مسلمان ہو گیا اور یوں وہ آستین کا سانپ بن کر اسلام اور مسیحیت میں اختلاف ڈالنا چاہتا تھا جو کسی حد تک کامیاب بھی ہوا۔ اس جعلی انجیلِ برناباس کا شوشہ اُس کے اختلاف ڈالنے میں کامیابی کی ایک کڑی ہے۔ یہ کیسے پتہ چلتا ہے کہ وہ پہلے یہودی تھا جو پہلے مسیحی ہوا اور پھر مسلمان ہو گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ عہدِ عتیق سے کافی حد تک واقفِ نظر آتا ہے اور اس حد



تک کہ اُسے عہدِ عتیق سے گہری واقفیت بھی تھی اور اس طرح وہ تالمود سے بھی واقف لگتا ہے کیونکہ اس جعلی انجیل میں وہ ختنے پر زیادہ زور دیتا ہے۔

تیسرا خیال یہ ہے کہ ایک مسیحی راہب بنام فرمارینو جو مسلمان ہو گیا تھا جس نے بعد میں یہ انجیلِ برنباس لکھی۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ مصنف عہدِ عتیق اور عہدِ جدید دونوں سے خوب واقف نظر آتا ہے مگر اسلام سے اتنی زیادہ واقفیت نہیں تھی۔

۱۹۶۳ء میں ایک مسیحی فادر ایم۔ ڈی افلزا نے اپنے ایک مقالہ میں کہا کہ اس انجیلِ برنباس کا مصنف کوئی مسیحی تھا جو بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔

یاد رہے کہ مسیح کے بارہ شاگردوں میں سے کسی کا بھی نام برنباس نہیں تھا اور نہ ہی کوئی ایسا شخص تھا جو حضور المسیح کا چشم دید گواہ ہوا جس کا نام برنباس تھا۔

برنباس نامی ایک نوجوان تھا جو پولس رسول کا ہم خدمت تھا۔ اس نے عالم مسیحیت کے لئے بہت کام کیا جس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ایک میان **میں دو تلواریں نہیں ہو سکتیں** اور وہ برنباس اس جعلی انجیلِ برنباس کے لکھے جانے کے پندرہ سو سال پہلے ہی خداوند میں سو گیا تھا۔

اس جعلی انجیلِ برنباس کا ۱۹۴۲ء سے قبل کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ اور یہ اُس کے بعد ہی کی کاوش ہے۔ اس جعلی انجیلِ برنباس کی جلد بندی اور ہسپانوی ترجمہ کی تاریخ سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہ جعلی انجیل برنباس 1550ء سے 1590ء کے دوران لکھی گئی۔ اس کی جائے تصنیف بھی ہسپانیہ میں ہی ہے کیونکہ مذکورہ سکّہ اسپین میں استعمال ہوتا تھا۔ نیز یہ انجیل مشرق میں نہیں بلکہ مغرب میں تحریر ہوئی۔ اس کی 222 فصلیں اور قریباً 308 صفحات ہیں۔

یہ جعلی انجیل برنباس 1585ء تا 1590ء کے دوران، پوپ سکسٹس پنجم کے کتب خانے سے ملی جس کا بعد میں اطالوی زبان سے انگریزی زبان میں ترجمہ ہوا۔ یہ

ترجمہ لینسڈیل اور لاراراگ نے 1907ء میں کیا۔

پھر مصر کے ایک مسیحی عالم ڈاکٹر خلیل سعادتؔ نے انگریزی سے عربی زبان میں اس جعلی انجیل کا ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ 15/مارچ 1908ء میں ہوا۔ اس کے بعد 1916ء میں مولوی محمد حلیم انصاریؔ نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا اور ملک کشمیر بک ڈپو اوکاڑہ پاکستان نے 28/دسمبر 1961ء میں لاہور آرٹ پریس انارکلی لاہور سے پہلی بار شائع کیا۔

اس کا دوسرا اردو ترجمہ مرے کالج سیالکوٹ کے پروفیسر آسی ضیائیؔ نے کیا تھا۔ جسے اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ نے 13 شاہ عالم مارکیٹ لاہور سے شائع کیا۔ جبکہ ترجمہ کے لحاظ سے اگر میں کہوں تو مولوی محمد حلیم انصاریؔ کا ترجمہ زیادہ بہتر اور اچھا ہے۔

جب میں یہ کہتا ہوں کہ اس جعلی انجیل برنباسؔ کا مصنف کوئی مسلمان ہے تو اس کے پیچھے کئی وجوہ ہیں۔ کیوں کہ اس میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کا ذکر ہے کہ قربانی حضرتِ اسماعیلؑ کی ہوئی۔ حالانکہ اگر یہ انجیل اصل ہوتی تو حضرتِ اسماعیلؑ کی جگہ حضرتِ اضحاقؑ کا ذکر ہوتا کیونکہ تورات و زبور و صحائف اور انجیل کے مطابق قربانی اسماعیلؑ کی نہیں ہوئی بلکہ اضحاقؑ کی ہوئی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں آیا ہے کہ ابلیسؔ نے آدمؔ کو سجدہ نہیں کیا جس سبب سے وہ شیطان ٹھہرا اور یہ تعلیم نہ تورات کی نہ ہی زبور و صحائف کی اور نہ ہی انجیلِ مقدس کی ہے بلکہ یہ اسلامی تعلیم ہے۔ اگر اس انجیل کا مصنف کوئی مسیحی ہوتا تو وہ ایسا قطعاً نہ لکھتا۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس جعلی انجیلِ برنباسؔ میں جو آدمؔ کے جنت سے نکلنے کا ذکر ہے اُس کا تورات سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ بالکل اسلامی تعلیم ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس کتاب میں مرقوم ہے کہ جب آدمؔ کو جنت سے نکالا گیا تو انہوں نے بابِ جنت پر کلمہ لکھا ہوا دیکھا اور اس کا ذکر نہ تو کسی یہودی کتاب میں اور نہ ہی مسیحی کتاب میں [illegible] اسلامی روایات کی بات ہے



پانچویں بات یہ ہے کہ اس جعلی انجیلِ برنباسؔ میں بار بار قسمیں کھانے کا ذکر آیا ہے یہ بات قابل قبول ہے کہ قرآنِ حکیم میں تو بار بار قسموں کا ذکر آیا ہے مگر مسیح یسوع نے قسمیں کھانے سے منع کیا ہے۔ جس سبب سے اس کتاب کا مصنف مسیح کے حواریوں میں سے نہیں ہوسکتا۔

چھٹی بات یہ ہے کہ اس کے موضوعات کو بھی اس انداز سے بیان کیا گیا ہے جو اسلامی تعلیمات کے گرداگرد ہی گھومتے ہیں جبکہ مسیحی تعلیمات سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں ہے مثلاً یہ کہ

............

- ☆ حضرت عیسیٰ کو ابنِ خدا کہنا کفر ہے۔
- ☆ یہ کہنا کہ یسوع ہی المسیح ہے کفر ہے۔
- ☆ یہ کہ یسوع المسیح محض ایک نبی تھے۔
- ☆ یہ کہ مسیح حقیقی مسیح کی راہ تیار کرنے والے تھے۔
- ☆ جو حقیقت میں المسیح ہیں وہ آپ صلعم ہیں

اور سب سے حیران کن بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس جعلی انجیل برنباسؔ کا کبھی ذکر نہیں کیا۔ قصہ المختصر یہ کہ مذکورہ جعلی انجیلِ برنباسؔ نہ تو مسیح سے متعلق صحیح معلومات فراہم کرتی ہے اور نہ ہی اس کے بیانات قرانِ حکیم سے ملتے ہیں۔ اس کی وجوہ میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تواریخی اور جغرافیائی واقعات اس میں بیان کئے گئے ہیں وہ نہ صرف انجیل مقدس سے بلکہ قرآن سے بھی متصادم ہیں۔ اگر کوئی مسلمان بھائی اسے سچا سمجھتا ہے تو وہ اُسے مسیحیوں کے خلاف استعمال کرتا ہے۔ ازراہ کرم ہم ابلیسؔ کے آلہ کار نہ بنیں اور ایک دوسرے میں ایسے اختلافات نہ ڈالیں جو ہمیں ایک دوسرے سے دور لے جاتے ہیں۔ دعا ہے کہ خداوندِ قدوس اس بھید کے سمجھنے میں ہماری مدد فرمائے۔ آمین!

# ا۔ تصلیب وقیامت المسیح

## (علم الکفارہ)

بشارت کے موضوع کے تعلق سے ہم نے یہ بات کی کہ اگر ہم سے کوئی یہ کہے کہ بائبل تبدیل ہوگئی ہے تو پھر ہم اُس کو کس طرح سے جواب دیں۔ بشارت میں پیش کئے گئے پیغام پر ہم نے غور کیا، ہم نے کتابِ مقدس پر بھی غور کیا اور مختلف اعتراضات کے جوابات دیئے۔ اَب ہم اس اہم موضوع کی طرف آتے ہیں کہ کیا مسیح واقعی مؤا کہ نہیں۔ بہتر ہے کہ میں اس کے تعلق سے مزید بات مضمون میں ہی کروں۔

تصلیب وقیامت المسیح، مسیحی ایمان کا اہم جزو ہے کیونکہ اس میں گنہگار انسان کے لئے الٰہی محبت کا ثبوت نظر آتا ہے۔ اُس اہم ستونِ ایمان کو دوسرے لفظوں میں کفارہ بھی کہا جاتا ہے لیکن اس موضوع پر کچھ کہنا گویا سورج کو دیا دکھانے کے مترادف ہوگا کفارہ ہمیں یہ یاد دلاتا ہے کہ ہماری قیمت ادا ہوئی ہے اور یہ الٰہی محبت کی ایک بہترین نظیر ہے۔ اس اہم عقیدے کے بغیر مسیحیت ادھوری اور کھوکھلی اور نامکمل ہے۔ مسیحی عقیدے میں اسے مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اگر اس تعلیم کو مسیحی ایمان یا عقیدے سے الگ کر دیا جائے تو یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے گاڑی ہے مگر اس میں انجن نہیں ہے۔ اگر انسان کا دِل نکال کر الگ رکھ دیا جائے تو کیا پھر بھی انساں زندہ رہے گا؟ نہیں بالکل نہیں! اسی طرح اس محبتِ خداوندی کی قبولیت سے انکار اپنے آپ کو نارِ جہنم کے حوالے کرنا ہے۔

زیرِ بحث مضمون اتنا اہم ہے کہ صدیوں سے اس پر وار ہوتے رہے ہیں اور مسیحی علماءِ کرام بڑے خوبصورت، معتبر اور مؤثر جوابات بھی زبانی اور تحریری صورت میں دیتے رہے۔ اس کے نتیجے میں بہت سے روحانی اندھوں کو باطنی وروحانی بصیرت ملی۔ اور بے شمار



حضرات وخواتین نے اس سے روگردانی کی اور الٰہی محبت کی اس عظیم پیشکش کو ٹھکرایا۔ ویسے بھی یہ مضمون اس قدر گہرا ہے کہ متعصب اور کُند ذہن شخص کا اسے سمجھنا مشکل ہے۔ اسی لئے تو انجیل مقدّس میں آیا ہے کہ ''جسمانی آدمی خدا کے روح کی باتوں کو نہیں سمجھتا۔ لہٰذا میری آپ سے درخواست ہے کہ اس سے قبل کہ آپ ذرا آگے گہرے میں اُتریں تھوڑی دیر کے لئے یہاں رُکیں اور خداوند سے درخواست کریں کہ وہ اس مضمون کے سمجھنے میں آپ کی مدد فرمائے اور توفیق بخشے کہ اس تعلیم کو سمجھ کر دوسروں کو سمجھانے والے ہو سکیں۔

عربی زبان میں لفظ ''کفر'' کے معنٰی چھپانے یا ڈھانکنے کے ہیں۔ اسی سے لفظ ''کفارہ'' نکلا ہے۔ اس کے معنی ایسے انتظام کو بیان کرتے ہیں جو خداوند کی طرف سے گنہگار انسان کے لئے ہے اور اس کے ذریعے اُس کے گناہ ڈھانکے جاتے ہیں کہ پھر خدا اُن پر نگاہ نہیں کرتا۔ ایک اور لفظ بھی ہمارے سننے میں آتا ہے اور وہ لفظ ''کافر'' ہے۔ اس سے مراد ایسا شخص لیا جاتا ہے جو کسی سچائی اور حقیقت کو چھپا رہا ہو۔

کفارے سے متعلق تعلیم کوئی نئی تعلیم نہیں ہے اور نہ ہی اس کا آغاز سنِ عیسوی سے ہوا بلکہ جب پروردگار نے آدم وحوّا سے کہا تھا کہ اس جنتِ ارضی (باغِ عدن) کے تمام اشجار کے اثمار تم کھا سکتے ہو مگر وہ درخت جو نیک وبد کی پہچان کا درخت ہے اُس کا ثمر نہ کھانا۔ چنانچہ ابلیس کی بات مان کر آپ دونوں نے شجرِ ممنوعہ کا ثمر کھالیا۔ اس سے پیشتر دونوں کی زندگیاں بالکل راست اور پاک تھیں لیکن جب گناہ آیا تو آپ دونوں کو ایک دوسرے کا ننگا پن نظر آیا اور کہا کہ ہم ننگے ہیں مجھے اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ پھل کون سا تھا کیونکہ تورات کی کتاب میں اس کا ذکر نہیں۔ ہے اور نہ ہی خدا تعالیٰ نے بتایا کہ یہ پھل کون سا تھا۔ تاہم اتنا ضرور کہوں گا کہ یہ نافرمانی تھی جو آدم وحوّا سے ہوگئی اور ہر طرح کی نافرمانی گناہ کی فہرست میں ہی آتی ہے۔

چنانچہ آپ دونوں شجرِ انجیر کے پتوں سے اپنا ننگ ڈھانکنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اُنہیں آخر کب تک ایسا کرنا تھا۔ ایک طرف تو خدا اظہارِ ناراضگی میں دونوں کو سزا سناتا

ہے اور دوسری طرف اُس کی محبت بھی جوش میں آتی ہے۔ میرا ذاتی سا خیال ہے کہ ممکن ہے کہ خدا آدم وحوا کی اس بچکانہ سی حرکت پر مسکرایا بھی ہو کہ دیکھو وہ شجرِ انجیر کے پتوں سے اپنا ننگ ڈھانپنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ چنانچہ خدا یوں اپنی محبت کا قدم بڑھاتا ہے کہ آدم وحوا کو چمڑے کے کُرتے پہنا کر باغِ عدن سے اُنہیں باہر نکال دیتا ہے۔ پتوں کی نسبت چمڑے کے کُرتے نہایت ہی مضبوط اور دیرپا تھے (پیدائش 21:3)۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ یہ چمڑے کے کُرتے آئے کہاں سے؟ ہاں خدا تو کہیں سے بھی پیدا کر سکتا تھا اس میں تو کوئی شک نہیں ہے۔ لیکن اس کے پیچھے جو چھپی ہوئی حقیقت ہے وہ یہ ہے کہ آدم وحوا کا ننگ ڈھانپنے کیلئے جو چمڑے کے کرتے پہنائے گئے تھے وہ ضرور کسی حیوان کے چمڑے کے ہی ہوئے ہوں گے اور یوں کسی حیوان کی جان ضرور گئی ہوگی تو تب ہی یہ چمڑہ مہیا ہوا۔ ایک لحاظ سے یوں کہا جا سکتا ہے کہ گناہ آدم کا تھا، ننگے **وہ تھے لیکن جان کسی جانور کو دینی پڑی** جو بے قصور تھا۔ اس تاریخی اور حقیقی واقعہ میں کفارہ کا ایک حقیقی عکس نظر آتا ہے۔ کیونکہ کفارے سے دوسرے لفظوں میں مراد عوضی وفدیہ ہونا ہے۔

بعد میں ابرہام کا زمانہ آتا ہے۔ خداوند آپ سے فرماتا ہے کہ اپنے عزیز فرزند کو جو تیرے صلب سے نکلا ہے میرے حضور قربان کر چنانچہ ابرہام اپنے فرزند اضحاق کو لے کر پہاڑ پر چلا جاتا ہے کہ اسے قربان کرے۔ جب باپ نے بیٹے کی آنکھوں پر پٹی باندھی اور ذبح کرنے کیلئے اسے مذبح پر لٹایا تو عین چھری کے چلائے جانے کے وقت خدا کی طرف سے آواز آئی ہے کہ ابرہام اپنا ہاتھ روک لے کیونکہ تو امتحان میں پاس ہے۔ اور دیکھ وہ پیچھے جھاڑیوں میں ایک مینڈھے کے سینگ پھنسے ہوئے ہیں اسے لے لے اور اسکی جگہ اس مینڈھے کو ذبح کو۔ پس ابرہام اپنا ہاتھ روک لیتا ہے اور اس مینڈھے کو پکڑ کر ذبح کرتا ہے۔ میں نے اس واقعہ کو بڑے اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لیکن جس اصل بات کی طرف میں آپ کی توجہ مبذول کروانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ مرنا تو فرزندِ ابرہام نے تھا۔ موت



اسکی تھی مگر اسکی جگہ مینڈھا قربان ہوتا ہے۔ کیا مینڈھے کا یہ قصور تھا کہ وہ جھاڑیوں میں کیوں پھنسا ہوا تھا۔ نہیں بلکہ یہ انتظامِ الٰہی تھا جو خدا نے پہلے ہی سے تیار کیا ہوا تھا۔ لہٰذا میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ مینڈھا فرزندِ ابرہام کا فدیہ یا کفارہ ہوا۔ میں چاہوں گا کہ آپ پیدائش 22 باب میں اس واقعے کا مطالعہ کریں۔

توراۃ کی دیگر کتب کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل کو بھی اپنے گناہوں کے کفارہ کیلئے قربانیاں کرنا تھیں (احبار 1-7، ابواب اور پھر 16 ابواب کا مطالعہ فرمائیں)۔ قربانی بے عیب جانوروں کی ہی کی جاتی تھی اور اپنا ہاتھ جانور کے سر پر رکھنا ہوتا تھا۔ احبار 11:17 میں آیا ہے کہ " کیونکہ جسم کی جان خون میں ہے اور میں نے مذبح پر تمہاری جانوروں کے کفارہ کیلئے اُسے تم کو دیا ہے کہ اس سے تمہاری جانوں کیلئے کفارہ ہو کیونکہ جان رکھنے ہی کے سبب سے خون کفارہ دیا جاتا ہے۔ یہودیوں کے کیلنڈر کے مطابق ان کے سال کا ایک دن ہی یوم کفارہ کے طور پر مشہور تھا

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر کفارے کی ضرورت کیا تھی؟ گناہ زید کرے اور سزا بکر کو یہ کہاں کا انصاف ہے؟ کیا خدا ایسے ہی نہیں معاف کر سکتا تھا؟

عزیز قاری، تاریخ شاہد ہے کہ انسان نے بہت کوشش کی کہ وہ اپنے آپ میں اتنا اچھا بن جائے کہ وہ خدا کو پسند آ جائے۔ لیکن کوئی بشر ایسا نہیں ہے جو نیکیاں ہی کرے اور اس سے بدی نہ ہو۔ مسیحیت میں تو عملاً ہی نہیں بلکہ خیالاً بھی گناہ ہو سکتا ہے مسیحیت میں کوئی گناہ چھوٹا ہے اور نہ بڑا، سب ہی گناہ برابر ہیں۔ ایک پیسے کا بھی چور ہی ہوتا ہے اور جو لاکھوں کے حساب سے چراتا ہے وہ بھی چور ہی کہلاتا ہے۔ لہٰذا گناہ کی مزدوری موت ہے اور یوں ہر بشر کو نارِ جہنم کی ایندھن بننا ضرور تھا۔ ہم اپنے گناہوں سے نہیں چھوٹ سکتے تھے۔ پس محبتِ الٰہی جوش میں آتی ہے اور خدا خود اپنے روح کو اپنے کلمے کو جسم میں اس دنیا میں بھیجتا ہے اور مریم کے بطن سے پیدائش پا کر بے الزام زندگی گزارتا ہے اور وقت مقررہ پر وہی کلمہ مجسم مسیح یسوع تمام بنی نوع انسان کیلئے یعنی ان کے گناہوں کیلئے عوضی اور کفارہ ہوتا

ہے۔ یہی سبب ہے کہ انجیلِ مقدس میں آیا ہے کہ ابن آدم اس لیئے نہیں آیا کہ خدمت لے بلکہ اس لیئے آیا کہ خدمت کرے اور اپنی جان بہتیروں کے بدلے فدیہ میں دے۔ یہاں پر میں ایک مثال دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ چھوٹا، بچہ جسے ابھی چلنا بھی نہیں آتا اس کی گندگی کے دھونے کیلیئے کسی ایسے مددگار کی ضرورت ہے جو اپنی گندگی خود دھوسکتا ہو کیونکہ بچہ اپنی گندگی خود صاف نہیں کرسکتا ہے۔ اسی طرح ہم اپنے آپ کو خدا کے مقرر کردہ معیار پاکیزگی تک بنا نہیں سکتے تھے جس سبب سے خدا نے ہماری پاکیزگی کیلیئے انتظام کیا ہے۔

یرمیاہ نبی فرماتے ہیں کہ ''حبشی اپنے چمڑے کو اور چیتا اپنے داغوں کو بدل سکے تو تم بھی جو بدی کے عادی ہو نیکی کرسکو گے'' (یرمیاہ 23:13) عہد جدید میں آیا ہے کہ ''پس جسطرح ایک آدمی کے سبب سے گناہ دنیا میں آیا اور گناہ کے سبب موت آئی اور موت سب آدمیوں میں پھیل گئی اس لئے کہ سب نے گناہ کیا (رومیوں 12:5) اور جس طرح ایک ہی شخص کی نافرمانی سے بہت سے لوگ گنہگار ٹھہرے اسی طرح ایک کی فرمانبرداری سے بہت سے لوگ راستباز ٹھہرینگے (رومیوں 19:5) اور وہی ہمارے گناہوں کیلئے کفارہ ہے اور نہ صرف ہمارے گناہوں کا بلکہ تمام دنیا کے گناہوں کا بھی (1یوحنا 2:2) یوحنا 29:1 میں آیا ہے کہ دیکھو یہ خدا کا برّہ ہے جو دنیا کے گناہ اٹھالے جاتا ہے۔

آج بھی بہت سی اقوام میں قربانی کا تصور پایا جاتا ہے۔ اور یہ تصور گناہوں کیلیئے کفارہ دینا ہی ہے۔ کیونکہ جانور کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے قربان کیا جاتا ہے۔ یہی تو وجہ ہے کہ سال میں ایک بار بہت سے لوگ قربانی کرتے ہیں اور ان میں صرف یہودی ہی نہیں ہیں اگر یہ قربانیاں ہمارے گناہوں کے کفارے کیلیئے کافی ہوتیں تو پھر بار بار یہ قربانیاں نہ کی جاتیں یہودی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ ہیکل میں قربانیوں کی کثرت کی وجہ سے خون کی نہریں بہتی رہتی تھیں۔

اب اگر مندرجہ بالا قربانیاں کامل نہیں تھیں اور ناکافی تھیں تو پھر حقیقت کیا ہے؟ حقیقت وسچائی یہ ہے کہ میرے گناہوں کیلیئے قربانی وہ ہو جو میری برابری کی ہو۔ میں چونکہ



انسان اور اشرف المخلوقات ہوں لہٰذا میرے لئے کسی کامل اور بے عیب انسان کی قربانی ہی ہونی چاہیے تھی۔ حقیقتاً یہ میری آرزو نہیں ہے بلکہ انتظام الٰہی ہی ایسا ہے۔ انسان کے گناہوں کو دور کرنے کیلیئے حیوانات کی قربانیاں ناکافی ہیں۔ میرا اور حیوان کا کیا میل ہے؟ چنانچہ اگر میرے گناہوں کیلیئے کوئی قربانی ہے جو میری برابری کی ہے تو وہ صرف مسیح یسوع کی ہے۔ وہ بے عیب و بے گناہ تھا۔ انسانی جامے میں ہونے کے اعتبار سے تو وہ میری طرح ہے مگر اور کسی بھی پہلو کے اعتبار سے وہ میری طرح ہے مگر اور کسی پہلو کے اعتبار سے وہ میری طرح نہیں ہے۔ وہ انسانوں میں سب سے اعلیٰ و افضل ہے یہی تو سبب ہے کہ عہد جدید میں آیا ہے کہ

''چونکہ شریعت جس میں آئندہ کی اچھی چیزوں کا عکس ہے اور ان چیزوں کی اصلی صورت نہیں ان ایک ہی طرح کی قربانیوں سے جو ہر سال بلاناغہ گذرانی جاتی ہیں پاس آنے والوں کو ہرگز کامل نہیں کر سکتیں۔ ورنہ ان کا گذراننا موقوف نہ ہوجاتا۔ کیونکہ عبادت کرنے والے جب ایک بار پاک ہوجاتے تو پھر ان کا دل انہیں گنہگار نہ ٹھہراتا۔ بلکہ وہ قربانیاں سال بہ سال گناہوں کو یاد دلاتی ہیں۔ کیونکہ ممکن نہیں کہ بیلوں اور بکروں کا خون گناہوں کو دور کرے۔ اسی لئے وہ دنیا میں آتے وقت کہتا ہے کہ تو نے قربانی اور نذر کو پسند نہ کیا بلکہ میرے لئے ایک بدن تیار کیا۔ پوری سوختنی قربانیوں سے تو خوش نہ ہوا۔ اس وقت میں نے کہا کہ دیکھ میں آیا ہوں۔ کتاب کے ورقوں پر میری بابت لکھا ہوا ہے تاکہ اے خدا تیری مرضی پوری کروں۔ اوپر تو وہ فرماتا ہے کہ تو نے قربانیوں اور نذروں اور پوری سوختنی قربانیوں اور گناہ کی قربانیوں کو پسند کیا اور نہ ان سے خوش ہوا حالانکہ

وہ قربانیاں شریعت کے موافق گزرانی جاتی تھیں اور پھر یہ کہتا ہے کہ دیکھ میں آیا ہوں کہ تیری مرضی پوری کروں۔ غرض وہ پہلے کو موقوف کرتا ہے تاکہ دوسرے کو قائم کرے۔ اسی مرضی کے سبب سے ہم یسوع مسیح کے جسم کے ایک ہی بار قربان ہونے کے وسیلہ سے پاک کیئے گئے ہیں۔ اور ہر ایک کاہن تو کھڑا ہو کر ہر روز عبادت کرتا ہے اور ایک ہی طرح کی قربانیاں بار بار گزرانتا ہے جو ہرگز گناہوں کو دور نہیں کر سکتیں لیکن یہ شخص ہمیشہ کیلئے گناہوں کے واسطے ایک ہی قربانی گزران کر خدا کی دہنی طرف جا بیٹھا'' (عبرانیوں 10:1-12)

لہٰذا اس الٰہی انتظام پر ایمان لانے کے ذریعے مسیح یسوع کے وسیلہ سے ہی راستباز ٹھہرے یعنی الٰہی عدالت میں بری ہوتے ہیں۔ یعنی اس بات کا اقرار کرنے سے کہ خداوند میں تو اپنے گناہوں کے سبب سے تیری قربت حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔ لیکن یہ تیرا فضل ہے کہ تو نے میرے گناہوں کیلئے مسیح یسوع کو بھیجا کہ وہ میرے گناہوں کے بدلے قربان ہو جائے اور میں اس کے اس عظیم کفارے پر ایمان لاتا ہوں۔ اور اس عظیم فضل کیلئے جو تو نے مجھ پر کیا تیرا شکر بجالاتا ہوں۔ مجھے قبول فرما۔

کئی بار اس نقطے سے متعلق سوال پوچھا گیا کہ ''اچھا تو جب حضرتِ عیسیٰ (یسوع مسیح) کفارہ ہو گیا تو کیا ہم پھر جو چاہیں کرتے پھریں؟ کیونکہ گناہ معاف ہو گئے ہیں اور ہمیں آزادی ہے؟ یاد رکھیئے کہ یہ سوال اہل مسیحیت کا نہیں ہے کیونکہ ان میں سے اکثریت اس اہم حقیقت کو سمجھتی ہے۔

عزیز دوست! فردوسِ بریں میں جانے کا واحد راستہ خداوند یسوع مسیح ہے۔ مسیح نے فرمایا ''راہ حق اور زندگی میں ہوں'' دروازہ میں ہوں (یوحنا 14;6; یوحنا 10:9) بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ ''جناب جانا تو سب نے ایک ہی جگہ ہے ناں یہ



الگ بات ہے کہ راستے مختلف ہیں''۔ لیکن مسیحیت کے مطابق تو جناب صرف ایک ہی راستہ ہے جو یسوع مسیح ہے۔ اس کے علاوہ جو راہیں ہیں وہ ہلاکت کی راہیں ہیں وہ ہلاکت تباہی اور جہنم کی طرف لے جاتی ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ آپ الٰہی محبت کو نہ ٹھکرائیں بلکہ اسے قبول کریں۔

اس بات کو مزید سمجھنے اور سمجھانے کیلئے میں یہاں پر چند مثالیں پیش کرتا ہوں تاکہ آپ کی بھرپور طور پر مدد ہو سکے۔ یہ مثالیں انجیلِ مقدس میں تو نہیں ہیں مگر ان مثالوں میں مندرجہ بالا سچائی کی ایک جھلک نمایاں نظر آئے گی۔ یہ مثالیں کہاں تک حقیقت پر مبنی ہیں مجھے معلوم نہیں ہے لیکن ان میں جو حقیقت ہے اسے کسی صورت میں بھی جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ پھر بھی یہ مثالیں اس حقیقت کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں رکھتیں۔

کہا جاتا ہے کہ مغلیہ دور میں اکبر بادشاہ اور ہمایوں کا باپ بیٹے کا رشتہ تھا۔ ایک مرتبہ بیٹا بیمار ہو گیا اور باپ نے دعا کی کہ پروردگار میرے بیٹے کا بخار مجھے لگ جائے لیکن میرا بیٹا بچ جائے۔ درسی کتب شاہد ہیں اور تاریخ گواہ ہے کہ یوں بیٹے کا بخار باپ کو لگ گیا اور اس کے نتیجہ میں باپ شہرِ خاموشاں میں پہنچ گیا۔ یہ باپ کی شفقت و محبت تھی کہ اس نے اپنے بیٹے کی تکلیف اور موت کو خود گلے لگایا تاکہ بیٹا بچ جائے ہمارے ساتھ بھی بالکل اسی طرح سے ہوا ہے۔ گناہ ہمارے تھے جن کے سبب سے ہمیں جہنم مین جانا تھا مگر الٰہی انتظام یہ ہوا کہ کلامِ خدا مجسم ہوا۔ اور یوں وہ جو گناہ سے ناواقف تھا ہمارے لئے گناہ ٹھہرا تاکہ ہم اس کی راستبازی کے سبب سے راستباز ہو جائیں یہ اس حقیقی محبت کا ایک عکس ہے جو خدا نے ساری دنیا سے کی ہے۔

دو سگے بھائی تھے اور ان میں سے چھوٹا آوارہ ہو گیا۔ ایک مرتبہ جوا کھیلتے ہوئے وہ بھاری رقم ہار گیا چنانچہ ہارنے کے بعد اسے افسوس ہوا اور یوں اپنے ساتھی جواری کو جو جیت گیا مار ڈالتا ہے اس قتل کے سبب سے وہ نہایت پریشان ہو گیا کہ اسے سمجھ نہیں آتی تھی کہ میں کیا کروں۔ وہ بھاگا ہوا گھر آتا ہے جہاں اس کا دوسرا بھائی تھا۔ جب بڑے بھائی

نے اس کے لباس پر خون دیکھا تو وہ بھی نہایت ہی پریشان کن حالات میں اس سے پوچھتا ہے کہ تو نے کیا کر دیا۔ اس نے کہا کہ بھائی مجھ سے خون ہو گیا ہے اور مجھے کہیں چھپا لو کیونکہ پولیس میرا پیچھا کر رہی ہے۔

بڑے بھائی نے کہا کہ اچھا تم جلدی سے یہ اپنی خون آلودہ قمیض اُتارو اور ادھر بڑا بھائی اپنی صاف قمیض اتار کر چھوٹے بھائی کو پہننے کیلیئے دیتا ہے اور اس کی خون آلودہ قمیض خود پہن لیتا ہے۔ تھوڑی دیر میں پولیس آ جاتی ہے اور وہ جسکی قمیض خون آلودہ تھی اسے پکڑ کر لے جاتی ہے۔ حالانکہ قاتل یہ نہیں تھا بلکہ چھوٹا بھائی تھا۔ المختصر یہ کہ یہ معاملہ عدالت تک پہنچا اور آخری پیشی پر جج نے کہا کہ مجرم فلاں ولد فلاں کو سزائے موت کا حکم سناتا ہوں۔ غور فرمائیے کہ قتل اس نے نہیں کیا تھا مگر محبت کی وجہ سے اس نے اپنے بھائی کا گناہ خود اپنے اوپر لیا۔ سزائے موت پانے سے پیشتر اس سے پوچھا گیا کہ کیا تیری کوئی آخری خواہش ہے اس نے کہا کہ اور تو کوئی نہیں ہے بس یہ رقعہ میرے بھائی تک پہنچا دینا اور یوں اسے سزائے موت ہو جاتی ہے جب چھوٹے بھائی نے وہ رقعہ پڑھا تو لکھا تھا ''میرے بھائی یہ گناہ تیرا تھا لیکن میں نے اسے اپنے اوپر لے لیا۔ میں تم سے پیار کرتا ہوں اور یہاں تک کہ دیکھ تیری خاطر مر رہا ہوں لیکن میرے بھائی میری ایک نصیحت تمہارے لئے ہے کہ آئندہ پھر کبھی تم اپنی پوشاک آلودہ نہیں ہونے دینا کیونکہ میرے علاوہ تمہارا اور کوئی بھائی نہیں ہے جو تمہاری جگہ پر مر جائے'' انجیل مقدس میں آیا ہے کہ جب ہم گنہگار ہی تھے تو مسیح ہماری خاطر مُوا۔ وہ جو گناہ سے ناواقف تھا ہماری خاطر گناہ بنا تاکہ اس میں ہو کر ہم خدا کی راستبازی ہو جائیں۔

مثالیں تو اور بھی بہت سی ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ عقلمند کیلیئے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے تو بھی ایک آخری بات عرض کرتا چلوں کہ سارا بھید ایسے ہی ہے کہ جیسے میں لاکھوں روپوں کے قرض تلے دبا ہوا ہوں اور اس قرض کی لعنت سے رہائی پانے کیلیئے مجھے امید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی۔ اور آپ آتے ہیں اور صاحبِ توفیق ہیں اور اس محبت میں آپ



مجھے ایک خالی BLANK چیک دے جاتے ہیں کہ یہ لے اور جتنا تمہارا قرض ہے اسے اتار دے۔ اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ میں آپ کا شکریہ کن الفاظ سے کروں۔ پس میں آئندہ اس قدر محتاط اور خبردار ہوں گا کہ میں قرض کی لعنت تلے پھر کبھی نہ دبوں کیونکہ اب میرا قرض چکانے والا اور کوئی نہیں ہے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ جب انسان کے گناہ مسیح کے وسیلہ سے معاف ہو جاتے ہیں تو اس کے بعد اس کو یہ تحریک ملتی ہے اور اس بات کا احسان مند ہوتا ہے کہ میں گناہ نہ کروں چنانچہ جو مسیحی ہے وہ جان بوجھ کر گناہ نہیں کرتا مگر اس سے ہو جاتا ہے۔ وہ اسے عادت نہیں بنالیتا۔ وہ جو چاہے نہیں کر سکتا۔ مسیح کو قبول کرنے اور گناہوں کی معافی پانے کے باوجود وہی حال ہے جو پہلے تھا تو پھر اس سے یہ مراد ہے کہ ہماری زندگی میں حقیقت میں کام ہی نہیں ہوا ہے اور نہ ہی ہم مسیح کے کفارے کو سمجھے ہیں۔ ہم اپنے آپ کو بھی اور دوسروں کو بھی دھوکا دے رہے ہیں۔

لہٰذا آخر میں میرا آپ سے مشورہ ہے کہ اس صراط مستقیم کو جو مسیح یسوع ہے اور فردوس کی راہ ہے شخصی طور پر اپنے لیے قبول کریں اور نا امیدی کی دلدل سے نکل کر امید کی شاہراہ پر گامزن ہوں۔ دعا ہے کہ خداوند آپ کو ایسا کرنے کا فضل بخشے کہ مسیح کی صلیبی موت اور اس کے جی اٹھنے کو شخصی طور پر اپنے لیئے قبول کریں۔ آمین

# تصلیب وقیامت المسیح

## (کیا مسیح واقعی صلیب پر مُوا؟)

پچھلے باب میں یہ بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مسیح کے کفارے کی کیا ضرورت واہمیت ہے۔اس سبق میں دوبارہ سے اس موضوع پر قلم نہیں اٹھاؤں گا کیونکہ اس عمیق موضوع پر جتنا بھی کہاجائے وہ کم ہے۔تو بھی اس باب کے لکھنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کیونکہ ممکن ہے کہ بہت سے لوگ علم الکفارہ کو محض جھوٹ اور من گھڑت بات سمجھتے ہوں اوران کے دینی علوم اس تعلیم کے برخلاف درس دیتے ہوں اور یہ کہتے ہوں کہ مسیح کی مصلوبیت محض آنکھوں کا فریب تھااور مسیح نہیں بلکہ اس کی جگہ کوئی دوسرا شخص صلیب پر مصلوب ہوا۔میں یہ بات اس لئے کہتا ہوں کیونکہ میرے کئی دوست ہیں جو مجھ سے ایسی باتیں کرتے ہیں اوروہ مسیحی نہیں ہیں۔

ہم نے پہلے بھی اس بات پر غور کیا کہ مسیح کی موت کا سبب کیا تھا۔آیئے ہم اس موضوع پر بات کریں کہ کیاواقعی مسیح کی موت واقع ہوئی ہے؟اور کیاواقعی جی اٹھا ہے۔اگر واقعی آپ سنجیدگی سے اس موضوع سے متعلق جاننا چاہتے ہیں تو پھر اپنے ذہن منتشر نہ ہونے دیں بلکہ میرے ساتھ ساتھ چلیں۔شکریہ

میرے ایک نہایت ہی ممتاز دوست کے چند سوالات نے مجھے مجبور کیا ہے کہ اس موضوع سے تعلق سے کچھ لکھ پاؤں۔انہوں نے کہا کہ مسیح مصلوب تو ہوا مگر زخموں کی تاب نہ لا سکنے کی وجہ سے وہ صلیب پر بے ہوش ہوگیا تھا اور مصلوب کرنے والوں نے سمجھا کہ وہ مر گیا ہے اوراسے صلیب پر سے اتارلیا گیا تھا۔اور جب کچھ دیر بعد معلوم ہوا کہ مسیح کی موت ابھی واقع نہیں ہوئی تو پھر آپ کے زخموں کو مرہم عیسٰی لگائی گئی اور یوں آپ ٹھیک ہو گئے۔



چنانچہ آپ نے جائے مصلوبیت سے آہستہ آہستہ سفر کرنا شروع کیااور یوں چلتے چلتے آپ آزاد کشمیر پہنچ گئے اور یوں آپ نے کشمیر میں ہی سرینگر کے ایک محلہ خان یار میں جاکر وفات پائی اورآپ کی تدفین بھی وہیں ہوئی۔غرض یہ کہ آپ کی قبر بھی وہاں ہی ہے۔

اس بات پراظہار خیال کرتے ہوئے نہ تو میں کسی کتاب کواور نہ ہی کسی شخصیت کو نشانہ بنانا چاہتا ہوں۔خواہ وہ شخصیت وکتاب سیاسی،تاریخی یامذہبی ہی کیوں نہ ہو۔میں جو کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ تورات زبور صحائف الانبیاء کے بعد جوآخری کتاب انجیلِ مقدس ہےاس میں اس سوال کا کیا جواب ملتا ہے۔کیونکہ انجیلِ مقدس میں مسیح کی موت،و تدفین اور جی اٹھنے کے واضح اور مدلل ثبوت ہیں واضح رہے کہ میں نے پہلے ہی اس حقیقت کوواضح کر دیا ہے کہ انجیلِ مقدس خدا کے الہام سے لکھی گئی ہے جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔چونکہ انجیل مقدس آپ کے موت تدفین جی اٹھنے اورآسمان پر اٹھائے جانے کی شہادت پیش کرتی ہے کیونکہ یہ عین اُسی وقت الہام کے ذریعے قلمبند ہوئی ہے۔اس لئے اس سے زیادہ معتبر ثبوت میں کوئی اور نہیں دے سکتا اور نہ ہی اور کہیں سے ثبوت لینے کی ضرورت ہے۔

میں آپ کی خدمت میں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ مسیح کی موت کا واقع ہونا کوئی اچانک یا اتفاقیہ سانحہ یا حادثہ نہیں ہے۔اس کا سبب یہ ہے کہ مسیح کی موت سے متعلق خدا نے ہزاروں برس پہلے ہی انبیاء کی معرفت پیشنگوئیوں اورنبوتی کلام کے ذریعے یہ فرمادیا تھا کہ مسیح کی موت کب ہوگی۔کہاں ہوگی اور کیوں ہوگی مسیح نے بھی متعدد بار اپنی زندگی کے آخری ایام غرضیکہ موت اور جی اُٹھنے سے متعلق پیشنگوئیاں کیں کہ اُس کے ساتھ کیا ہوگا۔چنانچہ مسیح کی موت تدفین اور جی اُٹھنا انبیاء کی نبوتوں کی اور خود مسیح کی پیشنگوئیوں کی تکمیل ٹھہرا۔

فرض کریں کہ مسیح اگر صلیبی موت نہ مرتا تو انبیاءِ کرام کی پیشنگوئیاں جھوٹی ٹھہرتیں۔خود مسیح نے بھی اپنی موت سے متعلق جو پیشنگوئیاں کیں وہ بھی جھوٹی ٹھہرتیں اور کلام

خدا بھی اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ خدا بھی جھوٹا ٹھہرتا اور آج اس کُرۂ ارض پر مسیحوں کی تعداد سب سے زیادہ نہ ہوتی اور ہم بھی مسیح کا نہیں بلکہ کسی اور کا کلمہ پڑھ رہے ہوتے مسیح کی موت اگر بغیر پیشنگوئیوں کے بھی ہوتی اور زندہ نہ ہوتا تو مسیح کی موت عام آدمی کی طرح ہی موت ہوتی اور کوئی فرق نہ ہوتا لہٰذا مسیح کی موت فخریہ ہے۔ جس طرح کی موت زمانے میں اور کسی کی بھی نہیں ہوئی اور نہ ہی ہوگی۔

چنانچہ مسیح حاکمِ وقت کے قانون کے مطابق یہودی علماء کے فتویٰ دیئے جانے کے ذریعے صلیبی موت پایا حاکمِ وقت کے قانون کے مطابق اگر کسی شخص کو کفر بکنے یا نہایت ہی گھناؤنے جرم کی سزا دی جاتی تو اسے صلیبی موت دی جاتی تھی اور جائے مصلوبیت تک مجرم خود صلیب آٹھا کر لے جاتا تھا۔

انجیلِ مقدس کے بیانات کے مطابق جب مسیح خود اپنی صلیب اٹھائے مقامِ کلوری کی طرف جہاں اسے مصلوب ہونا تھا اور لوگوں کے ایک بڑے ہجوم میں تھا تو بارِ صلیب سے مسیح اس قدر تھک گیا تھا کہ شمعون کرینی نام کے ایک شخص کو سپاہیوں نے بیگار میں پکڑا اور اس سے مسیح کی صلیب اٹھوائی اور یوں شمعون کرینی وہ صلیب اٹھا کر مقام کلوری تک لایا اور یہ وہ مقام تھا جہاں پر مسیح یسوع کو مصلوب ہونا تھا۔ وہاں پر مسیح کو صلیب پر لٹکا کر ہاتھوں اور پاؤں میں صلیب پر جڑنے کیلئے کیلیں لگائیں اور یوں مسیح چھ گھنٹے تک صلیب پر لٹکا رہا اور ایکدم ایک زوردار بھونچال اور زور کی آندھی کے ساتھ ابرِ سیاہ و تاریک بادلوں میں دن ہی کے وقت جب سورج نے بھی اپنا منہ چھپا لیا تو مسیح کے منہ سے یہ کلمات ادا ہوئے کہ تمام ہوا۔ اس سے مراد یہ تھی کہ مسیح جس مقصد کیلئے دنیا میں تشریف لایا تھا وہ تمام ہوا اس کے بعد ایک یہودی عالم بنام نیکدیمس جو مسیح کا خفیہ شاگرد تھا اور ایک اور شخص جو ارمتیہ کا رہنے والا یوسف تھا ان دونوں نے سرکار سے یسوع کی لاش طلب کی کہ اسے دفن کر دیا جائے۔ اور اس وقت کے دستور کے مطابق کفن پہنا کر ایک قبر میں دفن کر دیا۔

مسیح یسوع نے یہ بات پہلے ہی کہہ دی تھی کہ ''جس طرح یوناہ تین دن رات مچھلی



کے پیٹ میں رہا اسی طرح میں بھی ہوں گا۔ جب مسیح قبر میں تھا تو مشکوک دل، رکھنے والے لوگ اپنے دلوں میں یہ کہہ رہے تھے کہ وہ جی نہیں اٹھے گا اور یوں ہم سچے ہو جائیں گے۔

رومی حکومت کے سپاہیوں نے قبر کے باہر ایک بڑا بھاری پتھر بھی رکھ دیا کہ قبر کا منہ بند رہے اور اس بات کی تصدیق کے لئے کہ کوئی اس کی لاش کو چرا نہ لے جائے قبر کے باہر رومی سپاہیوں کا پہرہ لگا دیا تھا اور پتھر پر شاہی مہر بھی ثبت کر دی مگر خدا کی حمد ہو کہ مسیح اپنے وعدے کے مطابق باوجود تمام رکاوٹوں کے بڑی قدرت کے ساتھ قبر و موت پر فتح پا کر جی اٹھا اور شک کے ساتھ اٹھنے والی ہر آنکھ کو ہمیشہ کیلئے بند کر دیا اور یوں کلام خدا میں پائی گئی تمام نبوتیں اور پیشنگوئیاں سچ ثابت ہوئیں۔ اور حیران کن بات یہ ہے کہ یسوع مسیح اپنے جی اٹھنے کے بعد چالیس دن تک اپنے شاگردوں پر ظاہر ہوتا رہا اور یوں ان کی آنکھوں کے سامنے جب وہ سب کوہِ زیتون پر تشریف فرما تھے تو مسیح آسمان پر اٹھا لیا گیا اور خدا نے ان شاگردوں کو فرشتے کی معرفت یہ پیغام دیا کہ جیسے تم اس کو آسمان پر جاتے ہوئے دیکھ رہے ہو اسی طرح وہ پھر آئے گا۔ چنانچہ مسیح یسوع کی آمد کا وقت قریب ہے اور یہ وقت ایسا ہوگا کہ آج جو قیامت المسیح کے منکر ہیں وہ اپنی چھاتی پیٹیں گے اور پھوٹ پھوٹ کر روئیں گے مگر اس وقت کچھ نہ حاصل ہوگا کیونکہ وقت گزر چکا ہوگا۔

مسیح سے متعلق کم از کم اتنا ثبوت تو وہ دوسری کتب بھی پیش کرتی ہیں۔ جو مذہبی کتب سمجھی جاتی ہیں کہ مسیح کو صلیب دی گئی۔ یہ الگ بات ہے کہ خواہ کوئی ان کی صلیبی موت کو قبول کرے یا نہ کرے لیکن تواریخی شواہد ضرور موجود ہیں کہ آپ مصلوب ہوئے۔ میں اب صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جس مسیح کو بطور مجرم یہودی رہنماؤں نے پکڑا۔ رومی عدالتوں میں جو پیش کیا گیا۔ صلیب پر کیلوں سے جڑا گیا کیا ان کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی کہ وہ پہچان ہی نہ پائے کہ ہم کس مسیح کو مصلوب کر رہے ہیں اور بالفرض اگر سب کی آنکھیں بند ہو بھی گئیں اور مسیح کی جگہ کسی دوسرے شخص کو صلیب پر چڑھایا گیا تو کیا وہ شخص چلایا نہیں ہوگا اور اسکے رشتہ داروں نے یہ نہ کہا ہوگا کہ بھئی یہ وہ بندہ نہیں ہے آپ

کیا کرر ہے ہیں یا یہ کہ میں وہ بندہ نہیں ہوں؟ کیا اس بات کو کوئی ذی فہم شخص قبول کرے گا؟ اور ہم یہ بھی نہ بھولیں کہ اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مسیح کی جگہ کسی اور کو صلیب دی گئی تو جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں ہم خدا کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں جبکہ ایسا کرنا خدا کی ذات کے بر خلاف ہے۔ ایسا ہر کام جو اِسکی شان کے شایاں نہیں ہے وہ نہیں کرتا ہے۔

ایک اور بھی بات ہے جو بڑی حیران کن ہے اور وہ یہ کہ اگر مسیح کی جگہ کوئی اور شخص مثلاً یہوداہ اسکریوتی یا شمعون کرینی ہی سمجھ لیں کہ مصلوب کیا گیا تو کیا وہ صلیب پر سے پکار کر یہ کہتا کہ "پروردگار ان کے گناہ معاف کر کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ کیا کرتے ہیں" میں سمجھتا ہوں کہ ہرگز نہیں بلکہ وہ تو یہ دعا کرتا کہ ان کا بیڑہ ہی غرق ہو جائے کیونکہ الزام کسی اور پر ہے اور مجھے خواہ مخواہ پکڑ کر سزا دے رہے ہیں۔

ایک اور حقیقت یہ ہے کہ مسیح نے اپنے ساتھ مصلوب ہونے والے ڈاکو سے کہا کہ تو آج ہی میرے ساتھ فردوس میں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ابھی ابھی مسیح پر ایمان لایا تھا کیا کوئی اور شخص اتنا بڑا دعوی کر سکتا ہے؟

میرے ایک اور رفیق ہیں جنہوں نے یہ کہا کہ حضرت عیسیٰؑ نبی تھے اور اللہ کے پاک نبیوں کے ساتھ ایسا ہو نہیں سکتا۔ میں نے ان سے یہ عرض کی کہ جن نبیوں کو آگ میں پھینکا گیا جنہیں مچھلی کھا گئی اور آپ کے کہنے کے مطابق آرے سے چیرے گئے ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟ جواب نہ ہونے کی وجہ سے میرے دوست خاموش ہو گئے لہٰذا یہ باتیں محض خیالی اور خلافِ عقل ہیں اور ان کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ یہ وہ دیواریں ہیں جو ہمیں ایک دوسرے کے قریب نہیں آنے دیتی اور ایسی دیواروں کو ہمیں گرانے کی ضرورت ہے۔

اختصار یہ ہے کہ مسیح کلمہ منجی عالمین کتابِ مقدس اور انبیاء کرام کی پیشنگوئیوں اور نبوتوں کے مطابق صلیب کلوری پر موا۔ ایک دولت مند شخص کی قبر میں اسے دفن کیا گیا۔ اور کتابِ مقدس ہی کی پیشنگوئیوں کے مطابق مسیح تیسرے دن بڑی بھاری قدرت کیساتھ



مُردوں میں سے جی اٹھا اور فاتح اجل ٹھہرا۔ اور مُردوں میں سے جی اٹھ کر مسیح نے میری اور آپ کی نجات کا شادیانہ بجایا۔ الٰہی محبت کل جہان کیلئے ہے مگر اس پیشکش سے مستفیض ہونے والے صرف وہی لوگ ہیں جو عاجز و حلیم بن کر اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں اور ان سے توبہ کر کے مسیح کو اپنے دل میں بطور عوضی اور کفارے کے طور پر قبول کرتے ہیں۔ ایسوں کیلئے انجیل مقدس میں آیا ہے کہ گویا وہ موت سے نکل کر زندگی میں داخل ہو گئے۔

آپ کی خدمت میں جو بات عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ مسیحی تاریخ یہودی کتب اور رومی تاریخ اس بات کے شاہد ہیں کہ مسیح نے وفات پائی۔ دفن ہوا اور پھر جی اٹھا۔ انجیل اور تورات و زبور و صحائف الانبیاء بھی اس بات کے شاہد ہیں کہ مسیح جی اٹھا۔ لہٰذا میں یہی کہوں گا کہ اگر میں بھینس کے آگے بین بجاؤں تو وہ ناچ نہیں کرے گی۔

میں بڑے فخریہ انداز میں یہ کہوں گا کہ میرے ایمان کا بانی اور چشمہ فردوس میں لیکر جانے والی صراطِ مستقیم مسیح یسوع ہے۔ جو موا اور جی اٹھا اور آج بھی زندہ ہے۔ اور میں بڑے فخر سے آج سر اُٹھا کر یہ کہتا ہوں کہ نبیوں میں اگر کسی کی قبر خالی ہے تو وہ صرف مسیح کی ہے اور میرے لئے اس سے بڑھ کر فخر کی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ میری دعا ہے کہ خداوند آپ کے اور بہت سے ایسے لوگ جن کے ذہن ابھی تک روشن نہیں ہوئے ہیں وہ منور ہو جائیں کہ اس عظیم سچائی کو صدقِ دل سے قبول کر کے حیاتِ جاوید کے وارث ہو جائیں۔ اور اگر آپ اس سچائی سے پہلے ہی آشنا ہیں تو خداوند فضل بخشے کہ آپ آمدِ مسیح تک بے عیب اور اس کے ساتھ وفادار رہیں اور جس روح کی آگ سے آپ منور ہوئے ہیں اس سے اور زیادہ دیئے سے دیا جلاتے جائیں (آمین)

# بنی نوع انسان کے گناہوں کا عوضی

جنتِ ارضی یعنی باغِ عدن میں خدا اور انسان کی آپس میں گہری رفاقت تھی اور گناہ سے قبل آدم غیر فانی حالت میں بے گناہ، آزاد مرضی کا مالک اور خود مختار تھا۔ مگر بعد از گناہ وہ خدا کیساتھ رفاقت میں نہ رہ پائے کیونکہ خدا کو گناہ سے نفرت ہے اور آدم کے گناہ میں گرنے کے سبب سے یہ رفاقت ٹوٹ گئی اور نسلِ انسان میں موت راج کرنے لگی اور خدا کی طرف سے سزا پائے ہوئے آدم و حوا عدن سے نکال دیئے گئے۔

مندرجہ بالا مضمون پر روشنی ڈالنے سے قبل میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آغاز گناہ کہاں ہوا اور کیا انسان آج بھی گناہ میں پیدا ہوتا ہے یا معصوم پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ جب میں اس موضوع کو کھولوں گا تو پھر زیرِ بحث موضوع سمجھنے میں زیادہ آسانی پیدا ہو جائے گی۔

تخلیق کائنات کے اختتام پر خدا نے انسان کو پیدا کیا اور بعد از تخلیق خدا کے الفاظ جو انسان کیلیئے تھے وہ یہ تھے (بہت اچھا ہے) پیدائش 1:31۔ دیگر تمام مخلوقات الارض سے افضل ہونے کے سبب سے انسان کو اشرف المخلوقات بھی کہا گیا۔ پھر آدم پر گہری نیند بھیجی اور اس کی پسلیوں میں سے ایک نکال کر اس کی جگہ گوشت بھر دیا اور اس پسلی سے خدا نے حوا کو بنایا اور دونوں کو باغ عدن میں رکھا۔ جب تک کہ ابلیس نے آ کر ان کو گناہ کی طرف مائل نہیں کیا اس وقت تک وہ معصوم اور بے گناہ رہے اور خدا کے ساتھ رہے۔

درحقیقت آغاز گناہ زمین میں پر نہیں ہوا بلکہ آسمان پر ہوا۔ آپ حیران تو ہو ہی گئے ہوں گے کہ وہ کیسے؟ اس کا جواب میں کتاب مقدس کی روشنی میں دیتا ہوں۔ فرشتے خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء چوبیس گھنٹے کرتے رہتے ہیں۔ ان فرشتوں میں سے ایک جو سب فرشتوں کا



سردار تھا۔ اس کا نام لوسیفر تھا، اُس کے دل میں یہ گھمنڈ سمایا کہ میں اپنا تخت خدا سے بھی بلند بناؤں گا اور اس سبب سے خدا نے نہ صرف اسے بلکہ اس کے ساتھیوں کو بھی آسمان سے زمین پر پٹک دیا (حزقی ایل 28:11-19 یسعیاہ 14:12-15)۔ لہٰذا جسے ہم آج ابلیس یا شیطان کہتے ہیں کسی وقت وہ بھی فرشتہ تھا لیکن آسمان سے گرائے جانے کے بعد وہ نسل انسانی کو گمراہ کرنے لگا ہے۔ وہ اپنے اس مشن میں آج بھی سرگرم عمل ہے اور خوب کامیاب بھی ہے۔

زمین پر گرائے جانے کے بعد اس نے جو سب سے پہلا کام کیا وہ یہ تھا کہ خدا کی تخلیق میں افضل ترین تخلیق یعنی انسان کو اپنے خالق کے خلاف کر دے۔ آدم سے کہا گیا تھا کہ شجرِ ممنوعہ کا ثمر نہیں کھانا مگر اس کے علاوہ تمام اشجارِ عدن کے اثمار کھا سکتے ہو۔ اگر تم نے شجرِ ممنوعہ کا پھل کھا لیا تو پھر تم میں اور مجھ میں جدائی آ جائے گی۔ ویسے موت کے معنیٰ جدائی کے ہی ہیں۔ خواہ وہ جدائی جسم و روح کی ہو یا خالق کی مخلوق سے علیحدگی۔ مذکورہ واقعات کی تفاصیل جاننے کیلیئے آپ توراۃ کی پہلی کتاب پیدائش کا دوسرا اور تیسرا باب پڑھ سکتے ہیں۔

چنانچہ ابلیس آدم کے پاس نہ گیا مگر عورت کو نازک ظرف اور صنفِ نازک جانتے ہوئے کہ یہ جلد میرے جال میں پھنس جائے گی اُس کے پاس گیا۔ اور یوں شجرِ ممنوعہ کا ثمر نہ صرف حوا نے خود کھایا بلکہ اپنے شوہر آدم کو بھی کھلایا اور یوں نافرمانی کرنے کے سبب سے خالق و مخلوق یعنی خدا اور انسان میں جدائی پیدا ہو گئی اور ابلیس اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔

گناہ انسان کو ننگا کر دیتا ہے۔ چنانچہ آدم و حوا نے محسوس کیا کہ ہم ننگے ہیں اور یوں انہوں نے انجیر کے پتوں سے اپنا تن ڈھانکنے کی کوشش کی۔ خدا جب ان کو پکارتا ہے تو دونوں چھپ جاتے ہیں۔ لیکن کیا انسان خدا سے چھپ سکتا ہے؟ قطعاً نہیں چنانچہ جب خدا

نے آدم سے مخاطب ہو کہا کہ کہیں تو نے اس شجرِ ممنوعہ کا پھل تو نہیں کھالیا؟ تو آدم نے جھوٹ بولنے کے ساتھ ساتھ خدا کو بھی اور حوا کو بھی موردِ الزام ٹھہرایا اور اقرار نہ کیا۔ اور کہا کہ جو عورت تو نے مجھے دی اس نے پھل دیا اور میں نے کھایا۔ جب آدم کے بعد عورت سے پوچھا گیا تو اس نے بھی اقرار نہیں کیا بلکہ ابلیس کو الزام دیا کہ اس نے ایسا کیا۔ چنانچہ خدا نے آدم، حوا اور ابلیس کو سزا سنائی اور اس پہلے جوڑے کو چمڑے کے کرتے پہنا کر باغ سے باہر نکال دیا۔

آدم کے لیے سزا یہ تھی کہ وہ خون پسینے کی کمائی کھائے گا۔ حوا کیلئے سزا یہ تھی کہ وہ درد کے ساتھ اولاد کو جنم دے گی اور ابلیس کیلئے سزا یہ تھی کہ وہ پیٹ کے بل چلے گا۔ اس سے قبل وہ کیسے چلتا تھا۔ بائبل مقدس اس موضوع پر کچھ نہیں کہتی بلکہ خاموش ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ یہ گناہ آدم کی نسل میں منتقل ہوتا چلا گیا اور یوں نسل در نسل گناہ نے انسان کو اپنی غلامی میں رکھا۔ آدم کے ایک بیٹے نے دوسرے بیٹے کا خون کر دیا۔ اور یوں اس پہلے قتل کی وجہ سے زمین لعنتی ٹھہری۔ پھر نوح کا زمانہ آیا اور اگر اس وقت انسان کی حالت درست ہوتی تو پھر طوفانِ نوح بھیجنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ پھر ابرہام کا دور آیا اور ابرہام نے آدھا جھوٹ اور آدھا سچ بولا اور فرعونِ مصر کے سامنے جھوٹ بولا کہ یہ میری بہن ہے حالانکہ وہ اس کی بیوی تھی۔ اور دو بار ایسا کیا۔ بے شک ابرہام کو خلیل اللہ بھی کہا جاتا ہے مگر لغزش اس میں بھی پائی گئی۔ موسیٰ نے ایک مصری شخص کا خون کر ڈالا۔ داؤد نے نہ صرف ایک شخص کو قتل کروایا بلکہ اُس کی بیوی کو اپنی بیوی بھی بنایا۔

لوط نے بھی اور نوح نے بھی مے پی اور اپنے حواس کھو بیٹھے۔ غرضیکہ میں کتنوں کا ذکر کروں بے شمار ایسی مثالیں ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ "سب نے گناہ کیا اور خدا کے جلال سے محروم ہیں" (رومیوں 23:3)

گناہ اسی طرح نسل در نسل راج کرتا رہا کہ انسانی تاریخ انسان کے خون سے ہی



لکھی نظر آتی ہے۔ انجیلِ مقدس میں آیا ہے کہ ایک آدمی کے سبب سے گناہ دنیا میں آیا اور گناہ کے سبب سے موت آئی (رومیوں 15:5)

پولس فرماتا ہے کہ ہائے میں کیسا کمبخت ہوں اور اس موت کے بدن سے مجھے کون چھڑا سکتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ اگر عدن میں انسان گناہ کی دلدل میں نہ گرتا تو آج انسان جنت میں ہی ہوتا لیکن اس حقیقت میں بھی کوئی شک نہیں کہ اگر بنیاد ہی غلط پڑ جائے تو پھر ساری عمارت ہی ٹیڑی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جیسا بیج ہے ویسا ہی پھل یا فصل حاصل ہوتی ہے۔ یہ فطرت کے خلاف ہے کہ آلو بخارے کے درخت کیساتھ کدو لگیں۔ یا بکری سے اونٹ جنم لے۔ یا گندم کے بیج سے ٹماٹر کی فصل ہو۔ بالکل اسی طرح جب ہم میں بیج ہی گناہ کا ہے تو پھر یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم اپنے آپ میں کامل اور راستباز ہوں۔ ہم اپنی کاوشوں سے ہرگز ایسا نہیں کر سکتے اس گناہ نے نہ صرف انفرادی طور پر لوگوں کو بلکہ خاندانوں، قوموں اور ملکوں غرضیکہ ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔ عہدِ حاضر میں دنیا کے تقریباً ہر ملک میں بدامنی ہے۔ انسان اپنی ہلاکت کا سامان خود ہی پیدا کر رہا ہے۔ ہر طرف نفسا نفسی کا دور دورہ ہے۔ ہر شخص کی یہ تمنا ہے کہ میں راتوں رات ارب پتی اور عالمی شہرت یافتہ شخص بن جاؤں۔ پڑوسی بھوکا مر رہا ہوتا ہے اور ہم اپنے آنگن میں جشن منا رہے ہوتے ہیں۔ کیا ان سب باتوں کے پیچھے ہماری فطرت میں موجود گناہ نہیں ہے؟ اور تو اور اگر دو چھوٹے بچے اکھٹے کھیل رہیں ہوں یعنی اتنے چھوٹے کہ انہوں نے ابھی محض بیٹھنا سیکھا ہے اور انکے درمیان میں ایک رنگدار کھلونا رکھ دیں اور پھر دیکھیں کہ کیسی جنگ ہوتی ہے۔ یہ ان کو کس نے سکھایا؟ محض فطرتی گناہ کے سبب سے ہی ایسا ہوتا ہے یہی بچے جب تھوڑے بڑے ہوتے ہیں تو بچہ کچن سے نکل رہا ہوتا ہے اور اگر آپ پوچھتے ہیں کہ کیا تم نے چینی کھائی ہے؟ تو وہ فوراً جواب دے گا کہ نہیں میں نے تو نہیں کھائی جبکہ اُس کے منہ پر لگی ہوتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے، ہمیں اُلو بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ہماری آنکھوں میں

مٹی دھول دیتے ہیں۔ یہی تو سبب ہے کہ عہدِ حاضر کے معاشرے میں دوسرے کے حق کو چھیننا کوئی بات ہی نہیں ہے۔ کیا یہ سب کچھ اُس فطرتی گناہ کے ہی اثرات نہیں ہیں؟

بعض لوگ اس سوال کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ماحول کا اثر ہے اور اس سبب سے گناہ ہوتا ہے جبکہ انسان پیدائشی طور پر معصوم ہے۔ مگر جب یہ پوچھا جائے کہ پھر یہ بتائیے کہ اس ماحول کو کس نے خراب کیا تو جواب نہیں ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ جناب ماحول خود بخود نہیں بن جاتا، ماحول بنانا پڑتا ہے۔ ماحول انسان کی حرکات و سکنات کی وجہ سے ہی بنتا اور بگڑتا ہے۔ حقیقت یوں ہے کہ انسان کی سرشت میں گناہ ہے اور ہمارا ماحول ایسے ہی انسان سے تشکیل پایا ہوا ہے۔

اس حقیقت کو کبھی نہ بھولیں کہ ہم گناہ کر کے ہی گنہگار نہیں ہوتے بلکہ ہم پیدائشی طور پر گناہ کو ورثہ میں لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ مجھے یہاں پر داؤد کا بیان پیش کرنے کی اجازت دیں۔ داؤد نے فرمایا کہ ..........

''اے خدا اپنی شفقت کے مطابق مجھ پر رحم کر، اپنی رحمت کی کثرت کے موافق میری خطائیں مٹا دے۔ میری بدی کو مجھ سے دھو ڈال اور مجھے میرے گناہ سے پاک کر۔ کیونکہ میں اپنی خطاؤں کو مانتا ہوں اور میرا گناہ ہمیشہ میرے سامنے ہے۔ میں نے فقط تیرا ہی گناہ کیا ہے اور وہ گناہ کیا ہے جو تیری نظر میں بُرا ہے تا کہ تو اپنی باتوں میں راست ٹھہرے اور اپنی عدالت میں بے عیب رہے۔ دیکھ میں نے بدی میں صورت پکڑی اور میں گناہ کی حالت میں ماں کے پیٹ میں پڑا، دیکھ تو باطن کی سچائی پسند کرتا ہے اور باطن ہی میں مجھے دانائی سکھائے گا۔ زوفے سے مجھے صاف کر تو میں پاک ہوں گا مجھے دھو اور میں برف سے زیادہ سفید ہوں گا۔ مجھے خوشی اور خرمی کی خبر سنا



تا کہ وہ ہڈیاں جو تو نے توڑ ڈالی ہیں وہ شادمان ہوں۔ میرے گناہوں کی طرف سے اپنا منہ پھیر لے اور میری سب بدکرداری مٹا ڈال۔ اے خدا میرے اندر پاک دل پیدا کر اور میرے باطن میں از سرِ نو مستقیم روح ڈال۔ مجھے اپنے حضور سے خارج نہ کر اور اپنی پاک روح کو مجھ سے جدا نہ کر۔'' (زبور 51)

میرے ایک دوست نے کہا کہ آدم و حوا نے اپنا گناہ کا اقرار کیا تھا اور اُن کا گناہ معاف ہو گیا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر معافی ہو جاتی تو آج ہم جنت میں ہوتے۔ نہ ہم آج خون پسینے کی کمائی کھاتے اور نہ ہی درد سے بچے جنتے۔ نہ ہمیں ایٹم بم کی ضرورت ہوتی اور نہ ہی استغفار کی ضرورت ہوتی۔ لہٰذا ہم سب نے گناہ کیا اور یوں فضلِ ربی کے محتاج ہیں۔

مسیحیت میں گناہ صرف کچھ غلط کر بیٹھنے کا نام ہی نہیں ہے بلکہ مسیح نے فرمایا کہ گندی سوچ اور گندی نیت و ارادہ بھی گناہ ہے (متی 28:5)۔ مسیحیت کے مطابق ہمارے نامۂ اعمال میں گناہ کے عمل سے گزرنے کے بعد ہی گناہ نہیں لکھا جاتا بلکہ جب گندی سوچ جنم لیتی ہے تو ہمارے نامۂ اعمال میں ہمارا گناہ درج ہو جاتا ہے۔ پس خود ہی غور فرمائیں کہ انسان کس قدر خطا کا پتلا ہے کہ دن میں لاتعداد گناہ کر بیٹھتا ہے۔

یاد رہے کہ انجیل شریف کے مطابق گناہ کی سزا (مزدوری) موت ہے اور یہ سزا ابدی جہنم میں سزا پانا ہے جہاں پر انسان ہمیشہ جلتا رہے گا اور نہ آگ بجھے گی اور نہ ہی انسان ختم ہو گا۔

اس پر کنٹرول کرنے کے لئے عہدِ حاضر میں بہت سے منصوبے اور پروگرام تشکیل دیئے جاتے اور قوانین مرتب کئے جاتے ہیں۔ شریعتِ موسوی میں گناہ سے باز رہنے کی تھیوری ہے لیکن انسان اس تھیوری کے مطابق کامل ہو نہیں پایا۔ گناہ سے بچاؤ کیلئے جبراً طریقے بھی اختیار کئے جاتے ہیں مگر ناکامی ہوئی۔ انسان نے ریاضت کی اور کر بھی رہا

ہے مگر اُس کا ضمیر اُسے پھر بھی مجرم ٹھہراتا ہے۔ زبور کی کتاب میں ایک مقام پر آیا ہے کہ "اے خداوند اگر تو بدی کو حساب میں لائے تو کون قائم رہ سکے گا، پر مغفرت تیرے ہاتھ میں ہے تا کہ تجھ سے ڈریں" (زبور 3:130)۔

اگر انسان کی یہی حالت ہے تو پھر وہ درِ فردوس (جنت) میں کیسے داخل ہو سکتا ہے۔ اس اہم ترین سوال پر سوچئے، غور فرمایئے، تحقیق کیجئے اور پھر اپنے لئے شخصی فیصلہ اپنے دل سے مانگ لیجئے کہ اگر میں آج اس دنیا سے چلا جاؤں تو پھر میں کہاں جاؤں گا۔ اگر آپ کے پاس جواب نفی میں ہے تو مطالعہ جاری رکھئے اور یہ بھید بہت جلد آپ پر کھل جائے گا۔ دعائے قلب ایں است کہ خدائے ذوالجلال آپ کو راہِ ہدایت اور صراطِ مستقیم کے قبول کرنے کا فضل بخشے۔ (آمین)۔ میں نے ویسے علم الکفارہ میں اس سوال کا جواب تفصیلاً دے دیا ہے۔

میں نے شاید متعدد بار اپنے اسباق میں جان بوجھ کر یہ سوال پوچھنے کی کوشش کی کہ "خدا نہ کرے اگر آپ آج اس دنیا سے چلے جائیں تو پھر کہاں جائیں گے؟" میری مراد یہ تھی کہ جنت میں یا جہنم میں؟ چونکہ میں خود ایک ایسا ادارہ چلاتا ہوں جس میں اکثر اپنے طلباء سے میں یہ سوال پوچھتا ہوں اور جن طلباء سے یہ سوال پوچھتا ہوں وہ غیر مسیحی ہی ہوتے ہیں۔ جہاں بھی موقع ملے میں یہ سوال ضرور پوچھتا ہوں خواہ وہ کوئی ہی کیوں نہ ہوں۔ کبھی کبھی میں فرصت کے وقت کمپیوٹر پر چیٹنگ "Chatting" بھی کرتا ہوں اور اُس دوران میرا پہلا اہم سوال یہی ہوتا ہے اور اگر جواب نہ ہو تو مدد کرتا ہوں اور اگر کسی کے پاس جواب ہو تو پھر میں خداوند کی تمجید کرتا ہوں اور اُس شخص کے لئے برکت چاہتا ہوں۔ بہر حال موصول ہونے والے جوابات میں سے اکثریت ایسوں کی تھی کہ جناب اللہ ہی جانتا ہے کہ میں کہاں جاؤں گا کیونکہ مجھے معلوم نہیں ہے۔ اگر اعمال اچھے ہوئے تو ہم جنت میں جائیں گے اور اگر اعمال اچھے نہ ہوئے تو ہم جہنم میں جائینگے۔



اگر یہ سوال آپ سے کیا جائے یعنی آپ جو اس کتاب کو اس وقت پڑھ رہے ہیں اور آپ کو بھی اپنی منزل سے متعلق معلوم نہیں تو صاف ظاہر ہے کہ آپ بھی اُسی کشتی کے سوار ہیں جس کے سوار مسیحی نہیں ہیں۔ پھر تو آپ کو یہ ابواب بڑے غور سے مطالعہ کرنا چاہئیں تا کہ آپ بھی اپنی منزل کا تعین کر سکیں کہ میں مرنے کے بعد کہاں جاؤں گا۔ اس مسئلے کا حل میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں اب اس کو قبول کرنا یا نہ کرنا آپ کا شخصی فیصلہ ہے۔

عرصہ دراز پیشتر مجھ سے بھی ایک بزرگ نے یہی سوال پوچھا تھا اور میں نے بھی اُن کو یہی جواب دیا تھا کہ ماسوا اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا کہ ہم کہاں جائینگے؟ جواب میں اُس بزرگ شخص نے مجھ سے یہ کہا کہ تم کیسے مسافر ہو کہ گاڑی پر تو سوار ہو مگر یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ گاڑی مجھے منزل پر لے کر جانے والی ہے بھی کہ نہیں۔ خیر اس بات سے تو میں متفق ہوں کہ گاڑی کا راستے میں ایکسیڈنٹ ہو سکتا ہے جس سبب سے آپ کہہ سکتے ہیں کہ معلوم نہیں کہ وہاں پہنچے گی بھی کہ نہیں لیکن سوال یہ ہے کہ کیا آپ کو اس بات کی پوری یقین دہانی ہے کہ یہ گاڑی وہاں جانے والی ہے؟ اگر منزل سامنے ہو اور ایسی گاڑی پر سوار ہونا کہ معلوم ہی نہیں کہ گاڑی جاتی کہاں ہے سراسر بیوقوفی ہے۔ اُس بزرگ شخص نے مجھے کہا کہ میں تو اس گاڑی کا نمبر بھی دیکھوں گا اور پوچھوں گا بھی کہ یہ وہاں جائے گی کہ نہیں اور پھر ہی میں اس میں سوار ہوں گا۔

میں تو اپنی کم علمی یا لکیر کا فقیر ہونے کے سبب سے سمجھ نہ پایا کہ یہ بزرگ کیا فرما رہے ہیں اور جب میں نے وضاحت چاہی تو انہوں نے فرمایا کہ "بیٹا اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا دین تمہیں آخری منزل کی بابت کیا گارنٹی دیتا ہے؟" تب میں نے وہی بات کہی جو پہلے کہہ چکا ہوں کہ اس کا دارومدار اعمال پر ہے کیونکہ میں نے جان چھڑانے کے لئے یہی طریقہ ڈھونڈا تھا۔

پہلی بات جوانہوں نے میری اصلاح کے لئے کہی وہ یہ تھی کہ "ہم یا ہمارے" کی بجائے صیغہ واحد استعمال کرو، صیغہ جمع استعمال نہ کرو۔ اور یہ کہو کہ "میں کہاں ہوں گا؟" میرا جواب پھر سے نفی میں ہی تھا کہ میں نہیں جانتا۔ میں اپنے دین سے کسی حد تک واقف تو تھا مگر پھر بھی میں یہ نہیں جانتا تھا کہ مرنے کے بعد کہاں جاؤں گا؟ میں بھی مستقبل سے متعلق بالکل ناامید تھا۔ چنانچہ انہوں نے مجھے کہا کہ "اچھا تو پھر یہ آیت پڑھو۔ یہ آیت انجیل مقدس سے یوحنا 14:6 تھی۔ اس آیت میں مسیح خداوند نے فرمایا کہ "..........راہ حق اور زندگی میں ہوں کوئی میرے وسیلہ کے بغیر (خدا تعالیٰ یعنی) "باپ کے پاس نہیں آتا"۔ تب انہوں نے مجھ سے یہ کہا کہ کیا اس طرح کی کوئی آیت جس میں اتنا بڑا دعویٰ ہو آپ پیش کر سکتے ہیں؟ میں نے کہا کہ میرے دین میں اس طرح کا کوئی دعویٰ نہیں ہے۔ آخر پر اُنہوں نے کہا کہ تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔ اس کے علاوہ اور کوئی راہ ہے بھی نہیں۔

اُنہوں نے کہا کہ بہت لوگ بلکہ اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ ہماری راہیں مختلف ہیں مگر جانا ہم سب نے ایک ہی جگہ ہے۔ گویا وہ یہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ سب راہیں یعنی سارے ہی ادیان جنت کی طرف ہی لے کر جاتے ہیں اور یہ غلط بیانی ہے۔ دوسری کسی بھی راہ پر کوئی گارنٹی نہیں ہے۔ وہ سب راہیں ہلاکت، تباہی اور جہنم کی طرف لے کر جاتی ہیں۔ صرف ایک ہی واحد راہ ہے جس کا ذکر یوحنا 14:6 میں ہے اور وہ راہ یسوع المسیح ہے۔ مسیح پر ایمان لانے کے سبب سے گنہگار انسان جہنم کی راہ سے ہٹ کر فردوس کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ یہ الٰہی انتظام ہے جو کل جہان کے لوگوں کے لئے ہے۔

ہمارے نیک اعمال ہماری نجات کی ضمانت نہیں ہیں اور ہم اپنے آپ کو سو فیصد نیک بنا بھی نہیں سکتے۔ اور خداوندِ کریم جو عادل ہے وہ اس صورت میں بڑے عدل کے ساتھ انسان کی عدالت کرے گا۔ اسی سبب سے تو اُس نے بنی آدم کے لئے یہ انتظام کیا ہے کہ جو اس انتظام پر ایمان لائے یعنی اسے قبول کرے وہ ابدی زندگی پائے اور یہ انتظامِ الٰہی



کُل جہان کے لئے ہے اور آپ بھی اسے قبول کر کے ہمیشہ کی زندگی حاصل کر سکتے ہیں۔ آپ بھی ناامیدی کی دلدل سے نکل کر اُمید کی طرف آ سکتے ہیں۔ یہ انتظام کیا ہے؟ اس تعلق سے آپ تصلیب و قیامت المسیح کے موضوع کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ اگر نظر ثانی کریں تو اچھا ہوگا۔ اور ہمارے موضوع کا جواب ذرا اور وضاحت کے ساتھ مل جائے گا۔

یاد رہے کہ جب میں نے جنت کی بات کی تو اس سے مراد ایسا پاک اور مقدس مقام ہے جہاں کا سارا ماحول سراسر پاک ہے اور خداوندِ کریم کی حضوری وہاں ہے۔ جہاں پر کوئی ناپاکی نہیں ہے۔ کیونکہ پروردگار کی آنکھیں ایسی پاک ہیں کہ وہ بدی کو دیکھ بھی نہیں سکتیں اور نہ ہی اُس کے حضور کوئی لغو بات ہے۔ کیونکہ دنیا میں جسے ہم برائی کہتے ہیں اگر وہی کچھ اُس کے حضور میں بھی ہو تو پھر فرق کیا ہوا۔ لہٰذا وہ ایسا مقام ہے جہاں پر ہم خداوند تعالیٰ کے ساتھ ہوں گے اور وہاں پر کوئی بھی نفسانی خواہش نہیں ہوگی۔

اسی طرح دوزخ بھی ایک ایسا مقام ہے جسے گندھک اور آگ سے جلنے والی جھیل کہا گیا ہے۔ اس میں جانے کے بعد واپسی کی کوئی راہ نہیں ہے۔ گناہگار کو وہاں ہی ابدی عذاب میں رہنا ہوگا۔ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ گناہگار کچھ وقت کے لئے جہنم مین رہے اور پھر اُس کے بعد اُسے نکال لیا جائے بلکہ وہ گناہگار انسان کا ابدی ٹھکانہ ہوگا۔

المختصر یہ کہ مسیح میری جگہ اور آپ کی جگہ لے لیتا ہے تا کہ ہم بچ جائیں۔ کلامِ مقدس میں آیا ہے کہ وہ جو گناہ سے ناواقف تھا ہماری خاطر گناہ بن گیا تا کہ اُس کے وسیلہ سے ہم خدا کی راستبازی ہو جائیں۔ اَب آپ کے لئے خوشخبری یہی ہے کہ کسی نے اپ کا قرض چکا دیا ہے آپ کی سزا خود اُٹھالی ہے۔ آپ کی جگہ مر گیا ہے اور آپ کو اُسے اپنے گناہوں کے عِوضی اور کفارہ کے طور پر قبول کرنا ہے اور اسی خوشخبری کو دوسروں کو سنانا ہے۔

# یسوع مسیح خُدا کا بیٹا (ابنِ خدا)

اگر آپ مسیحی ہیں جو اس مضمون کو پڑھ رہے ہیں تو اس مضمون کو قبول کرنا آپ کے لئے کوئی بات ہی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ کسی بھی مسیحی کے لئے خواہ اُس نے تحقیق کی ہو یا نہیں یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ میرے آباؤاجداد کا یہ ایمان تھا اس لئے میرا بھی یہی ایمان ہے۔ شخصی طور پر بہت ہی کم ایسے مسیحی ہیں جو یہ جانتے ہیں کہ اگر یسوع خدا کا بیٹا ہے تو وہ کیسے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سوالات کے جوابات نہ ہونے کے سبب سے عہدِ حاضر کے مسیحی غیر مسیحیوں کے لئے گواہ نہیں ہیں اور میں یہ کہوں گا کہ افسوس ایسے کلیسیائی لیڈرز پر جو کلیسیا میں یہ سکھاتے نہیں ہیں کہ ہم کس طرح دوسروں کے سامنے انجیل کی گواہی دیں اور نہ ہی وہ کسی دوسرے کو دعوت دیتے ہیں کہ جو اس فیلڈ میں پہلے ہی سے ہے کہ وہ آ کر سکھائے۔

کلیسیائی اراکین کی بھی یہی حالت ہے کہ رسماً اتوار کے دن چرچ جاتے ہیں اور جو کچھ وہاں سنتے ہیں سمجھ آئے یا نہ آئے چلے آتے ہیں اور پھر اسے عبادت کرنا کہتے ہیں جبکہ عبادت ایک گھنٹے کی نہیں ہوتی بلکہ زندگی کے ہر لمحہ میں عبادت کا اصل تصور موجود ہے۔ تاہم میں اصل موضوع کی طرف آتا ہوں تاکہ یہ بیان کر سکوں کہ یسوع مسیح کیسے خدا کا بیٹا ہے اور جب کوئی غیر مسیحی یہی سوال ہم سے کرے تو کیا جواب دیا جائے۔ کیونکہ اگر اس موضوع پر ایمان لانا ہمارے لئے کوئی بات ہی نہیں تو پھر کسی غیر مسیحی کے لئے اس سے بڑی کوئی بات ہی نہیں ہے۔ اور جسے ہم اپنے مسیحی ایمان کا ایک جزو سمجھتے ہیں وہ اسے کفر سمجھتے ہیں۔ لہٰذا ہم اس اہم موضوع کو کس طور پر پیش کریں کہ یہ بات اُن کے لئے قابلِ قبول ہو جائے۔ آئیے اب ہم اس اہم موضوع پر بات کرتے ہیں۔

اس اہم سچائی کے قبول کرنے میں غیر مسیحیوں کے لئے جو مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ وہ یہ



ایمان رکھتے ہیں کہ نہ تو خدا خود کسی سے پیدا ہوا اور نہ ہی خدا سے کوئی پیدا ہوا تو پھر یسوع خدا کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے نعوذ باللہ یہ کفر ہے۔

گویا غیر مسیحی یسوع کے بیٹا ہونے اور خدا کے باپ ہونے کو جسمانی رشتہ کے اعتبار سے لیتے ہیں جبکہ اس میں مسیحی ایمان کے مطابق جسمانیت کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ یوں تو ہم بھی غیر مسیحیوں کے ساتھ متفق ہیں کہ خدا بشر نہیں ہے وہ روح ہے اور جسمانی طور پر نہ تو خدا کسی سے پیدا ہوا اور نہ ہی خدا سے کوئی پیدا ہوا۔

اہلِ مسیحیت مسیح کو جسمانی طور پر نہیں بلکہ روحانی طور پر خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ بعض اوقات تو میں اپنے غیر مسیحی دوستوں کو یہ کہتا ہوں کہ اگر آپ کو کوئی ایسا مسیحی مل جائے جو یہ کہتا ہو کہ نعوذ باللہ خدا زمین پر آیا اور اُس نے آ کر اپنی شادی رچائی اور یوں اُس سے بیٹا پیدا ہوا جو مسیح ہے تو میں یہ کہا کرتا ہوں کہ آپ مجھے بھی ایسے شخص سے متعلق بتائیں تاکہ میں بھی آپ کے ساتھ مل کر اُسے کفر کا فتویٰ دوں۔ میں یہ بات کرنے سے غیر مسیحیوں کو زیادہ قریب پاتا ہوں۔

لیکن تو بھی مسیحی ایمان کے مطابق یسوع خدا کا بیٹا ہے اور اس اہم سچائی کو بیان کرنا میں اپنی خوش بختی سمجھتا ہوں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ہم لفظ ''بیٹا'' کو محدود کر دیتے ہیں جبکہ یہی ایک لفظ اپنے آپ میں کئی معنی رکھتا ہے اور ہمیں اس کو معنوی اعتبار سے بھی اور صفاتی اعتبار سے بھی دیکھنا چاہئے۔ زبان دانی میں ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنی اور استعمال ہیں۔ مثلاً انگریزی میں ''گلاس'' پانی پینے والا ہوتا ہے جبکہ ''گلاس'' کھڑکی کا بھی ہوتا ہے، عینک کا بھی ہوتا ہے۔ منہ دیکھنے والا بھی ''گلاس'' ہی ہوتا ہے اور ''گلاس'' تار بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا ہم لفظوں کو باندھ نہیں سکتے اور نہ ہی قید کر سکتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ شعراء حضرات لفظوں سے کھیلتے ہیں اور کئی تشبیہات نکال لیتے ہیں۔ تاہم مسیح کا ابنِ خدا ہونا تشبیہ نہیں ہے بلکہ حقیقتاً ہے اور روحانی معنوں کے اعتبار سے ہے۔ جسمانی معنوں کے اعتبار سے نہیں ہے۔

مجھے ذرا تفصیلاً بیان پیش کرنے کے لئے شروع میں جانا پڑے گا لہٰذا میری برداشت

کیجئے۔ خدا کب سے ہے اور کب تک رہے گا؟ مجھے معلوم نہیں اور نہ ہی اس سوال کا جواب کتبِ سماویہ میں ملتا ہے۔ وہاں بھی یہی ذکر ملتا ہے کہ وہ اوّل و آخر ہے اور ابتداء و انتہا ہے۔ اور میں اکثر یہ بھی کہا کرتا ہوں کہ ہمیں خدا سے متعلق ایسی باتیں جاننے کی ضرورت بھی نہیں جو ہمارے فائدے کے لئے نہیں ہیں۔ اور نہ ہی ہم یہ جاننے کی کوشش کریں۔ کیونکہ جو کچھ ہمارے جاننے کے لئے ضروری تھا خدا نے وہ سب اپنے کلام میں ہم پر ظاہر کر دیا ہے۔

ہمارا علم، ہماری سوچ اور ہمارے خیال و معلومات بہت محدود ہیں اور خدا لامحدود ہے اور ہم اپنی محدود عقل سے خدائے لامحدود سے متعلق سب کچھ نہیں جان سکتے۔ اگر ہم خدا سے متعلق یہ سب کچھ جان جائیں تو وہ خدا خدا نہیں رہے گا۔ وہ اسی لئے کائنات میں منفرد ہے کیونکہ وہ لامحدود خدا ہے اور ہم اُس سے متعلق سب کچھ نہیں جان سکتے۔

خدا جب سے ہے اُس وقت سے اُس کا کلام اُس کے ساتھ ہے۔ جب سے میں پیدا ہوا میرا کلام اُس وقت سے میرے ساتھ ہے۔ اور جب تک میں ہوں میرا کلام میرے ساتھ رہے گا۔ اگر آپ نے مجھے کبھی بولتے ہوئے یعنی کلام کرتے ہوئے سنا ہو تو پھر آپ جہاں بھی کیوں نہ ہوں اگر میری ریکارڈِڈ آواز سنیں گے تو فوراً پہچان جائیں گے کہ یہ نوید ملک کلام کر رہا ہے۔ یہ وہ بولتا ہے۔ خدا کے اسی کلمے یا کلام کے وسیلہ سے کائنات کے ذرّے ذرّے کو وجود ملا۔ دنیا میں ہر ایک چیز اسی کلمے کے وسیلہ سے پیدا ہوئی (یوحنا 3:1)۔ اُس نے فرمایا تو ہو گیا (پیدائش ا۔باب)۔ ضرورت آن پڑی کہ وقتِ مقررہ پر یہ کلام جسم اختیار کرے کیونکہ اس کے بغیر اور کوئی چارہ نہ تھا۔ ہم نے دیکھا کہ انسان کے لئے فدیہ ہونے کے لئے ضروری تھا کہ کوئی انسان ہو اور وہ بھی انسانِ کامل ہو۔ چنانچہ کوئی راستباز نہ تھا ایک بھی نہ تھا، سب کے سب خدا کے جلال سے محروم تھے جس سبب سے کلمۂ خدا کو اس دنیا میں جسم اختیار کر کے آنا پڑا (یوحنا 14:1) جس سے متعلق تمام کتب سماویہ شہادت پیش کرتی ہیں کہ وہ بے گناہ تھا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ کلام مجسم کیسے ہوا؟ انجیل پاک میں آیا ہے کہ خدا نے جبرائیل فرشتہ کے ذریعے مریمؔ تک یہ پیغام پہنچایا کہ تو روح القدس کی قدرت سے حاملہ ہو گی اور بیٹا جنے



گی اور اُس کا نام یہ رکھنا گویا کہ یہ خدا کی قدرت سے پیدا ہو گا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی پیدائش میں مرد کا کوئی حصہ نہ ہو گا۔

چنانچہ اس بات کو یوں پیش کیا جا سکتا ہے کہ جب خدا نے جبرائیل سے کلام کیا تو گویا یہ کلمات اُس کے منہ سے نکلے۔ یاد رکھئے کہ لفظ ''بیٹا'' کے معنی ''نکلا ہوا'' کے ہیں۔ اور جب میں یہ کہتا ہوں کہ یہ کلمات خدا کے منہ سے نکلے تو اس سے ہرگز یہ مراد نہیں ہے کہ خدا کا میری طرح کوئی جسم ہے۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ خدا روح ہے تو بھی وہ سننے والا اور دیکھنے والا اور عالمِ کُل ہے۔ لہٰذا جو کلام خدا کے منہ سے نکلا اور مریمؔ تک پہنچا اُسی کلام نے مریمؔ کے بطن میں جسم اختیار کیا۔ مریمؔ کا اس کلام کو قبول کر لینا ہی اُس کے بطن میں بیج ٹھہرا۔ اور پھر مقررہ وقت پر وہ کلامِ مجسم مریمؔ سے پیدا ہوا اور یوں اُس کو کلام خدا یا کلمتہ اللہ کہا جانے لگا اور روح اللہ بھی کہا جانے لگا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ہے۔ بات کو مختصر کرتے ہوئے میں یہ کہہ رہا ہوں کہ مسیحی ایمان کے مطابق مسیح روحانی طور پر ابنِ خدا ہے اور چونکہ وہ خدا کے منہ سے نکلا ہوا کلام ہے جس سبب سے ہم اُسے ابنِ خدا کہتے ہیں کیونکہ لفظ بیٹا کے معنی نکلا ہوا کے ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ میں اگر اُسے ''بیٹا'' نہ بھی کہوں تو اُس کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ رب خود اُسے کہتا ہے کہ ''تو میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں'' اور انجیلِ مقدس میں کئی بار خدا خود یسوع کو ''بیٹا'' کہتا ہے۔ متی 17:3؛ مرقس 12.3- اور اگر خدا خود اُسے بیٹا کہتا ہے تو پھر میں کون ہوتا ہوں جو اس کا انکار کروں۔ اور اگر انکار کروں بھی تو اپنا ہی ایمان خراب کروں گا اور اپنے لئے ہی سزا کماؤں گا۔

میں یہاں پر اس بھید اور اہم ترین سچائی کے سمجھانے کے لئے چند مثالیں دیتا ہوں تا کہ آپ اصل حقیقت کو سمجھ سکیں۔

فرض کریں کہ آپ میرے گھر تشریف لاتے ہیں اور میری بیٹی کو آپ کہتے ہیں کہ ''بیٹی'' ذرا اِدھر آنا۔ ذرا غور فرمائیے کہ وہ میری بیٹی ہے، آپ کی نہیں ہے اور آپ اُس سے بیٹی کہہ کر مخاطب ہوتے ہیں۔ سوچئے کہ آپ نے اُسے کس بنیاد پر بیٹی کہا جبکہ وہ آپ کی بیٹی نہیں

ہے۔اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ نے محبت میں ایک رشتہ قائم کیا جو روحانی ہے اور اُس کی بنیاد پر آپ نے اُسے بیٹی کہا۔ اسی طرح خدا اور مسیح کا جسمانی نہیں بلکہ روحانی تعلق ہے۔ یاد رکھئے کہ یہ مثالیں کامل نہیں ہیں۔

دوسری مثال یہ ہے کہ جب میرے مسلمان بھائی حج کے لئے تشریف لے جاتے ہیں تو وہ اپنے مال اور وقت کو ایثار کر کے سعودی عرب جاتے ہیں۔ اُس دوران اخبارات اور ٹیلی ویژن پر جو کچھ ہم سنتے ہیں وہ یہ ہے کہ ''اس سال اتنے لاکھ فرزندانِ توحید یا بعض اوقات فرزندانِ اسلام'' بھی ہوتا ہے کہ انہوں نے فریضہ حج ادا کیا۔ اور اگر ہم فرزندانِ توحید یا فرزندانِ اسلام کے معنیٰ نکالیں تو اس سے ہرگز جسمانی معنیٰ نہیں لئے جاتے بلکہ روحانی معنیٰ ہیں۔

تیسری مثال یہ ہے کہ خواتینِ جنت کے لئے جو الفاظ مستعمل ہیں وہ ''اُم المومنین'' کے ہیں اس سے مراد سارے مومن ایمانداروں کی مائیں ہے۔ اور ہم سب جانتے ہیں کہ اس سے جسمانی معنیٰ مراد نہیں لئے جاتے بلکہ روحانی معنیٰ لئے جاتے ہیں۔ یا آپ ﷺ کے ایک صحابی ''حضرت ابو ہریرہؓ'' تھے۔ اور ''ابو ہریرہ'' سے مراد ''بلّیوں کا باپ'' ہے اور ہم جانتے ہیں کہ یہ جسمانی معنیٰ مراد نہیں ہیں بلکہ روحانی معنیٰ ہیں کیونکہ آپؓ نے بہت سی بلّیاں پال رکھی تھیں جس سبب سے آپ کو یہ خطاب ملا۔ مزید بہت سی مثالیں ہیں جو ہماری مدد کرتی ہیں کہ اس حقیقت کو ہم سمجھ سکیں جیسے ابن السبیل ''راہ کا بیٹا''، ابن الوقت یعنی ''وقت کا بیٹا'' اور ابو بکر بھی ہے۔ لہٰذا میں یہ کہہ رہا ہوں کہ ان سب القابات کے معنیٰ جسمانی نہیں بلکہ روحانی ہیں اسی طرح مسیح روحانی بیٹا ہے جسمانی بیٹا نہیں ہے۔

میں یہاں پر ایک بات کی وضاحت کرتا چلوں کہ آپ یہ نہ سمجھیں کہ جیسے یہ باقی ہیں اسی طرح مسیح بھی خدا کے فرزند ہیں۔ ایسا نہیں ہے کیونکہ بہت سے حقائق ہیں جو ایک دوسرے سے منفرد بھی ہیں۔

مثلاً خدا نے اگر بیٹا کہا تو صرف مسیح کو کہا۔ جو دنیا میں عصمت و پاکیزگی کے اعتبار سے لاثانی ہے۔ وہ خدا کی قدرت سے پیدا ہوا جو روح اللہ ہے اور کلام اللہ ہے۔ اُس کی پیدائش کا



دونسروں کی پیدائش سے کوئی میل ہی نہیں ہے۔ اور یہی واحد ہستی ہے جس کی پیدائش میں مرد کا کوئی کردار نہیں ہے۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ حضرت آدمؑ بھی بن باپ کے پیدا ہوئے تھے تو یوں تو وہ بھی ابنِ خدا ہوئے۔ جواب یہ ہے کہ ہرگز نہیں۔ کیونکہ وہ خاک سے پیدا ہوئے تھے جبکہ مسیح خدا سے (روحانی طور پر) پیدا ہوئے۔ آدمؑ کو خدا نے بیٹا نہیں کہا جبکہ مسیح کو بیٹا کہا، آدمؑ کلامِ خدا نہیں ہیں اور نہ ہی روح اللہ ہیں جبکہ مسیح کلمتہ اللہ بھی اور روح اللہ بھی ہیں۔ آدمؑ سے نافرمانی ہوئی جبکہ مسیح سے فرمانبرداری ہی ہوئی۔ آدمؑ کے وسیلہ سے موت آئی جبکہ مسیح کے وسیلہ سے ابدی زندگی آئی۔ آدمؑ کی وجہ سے بشر کے لئے درِ جنت ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا تھا جبکہ مسیح کے وسیلہ سے زنگ آلود تالے کھل گئے۔ آدمؑ موئے اور مرے ہی رہے جبکہ مسیح موا اور جی بھی اُٹھا۔ امید ہے کہ جن کو آدمؑ اور مسیح میں کچھ فرق نظر نہیں آتا وہ اب فرق جان جائیں گے۔

اگرچہ مندرجہ بالا مضمون کا براہِ راست ''خوشخبری کے پیغام'' سے تو تعلق نہیں لیکن چونکہ اس سوال کا جواب ہمارے جاننے کے لئے ضروری ہے کیونکہ غیر مسیحی حضرات کا سب سے پہلا سوال یہی ہوتا ہے کہ آپ یسوع مسیح کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں اور یہ کفر ہے۔ لہٰذا میں نے ضروری سمجھا کہ اعتراضات کے جوابات دے ہی رہا ہوں لہٰذا کیوں نہ میں اس موضوع پر بھی کچھ کہتا چلوں۔ اُمید کرتا ہوں کہ یہ موضوع بھی آپ کے لئے بہت مفید ہوگا۔

# بشارت: ایک اہم ضرورت اور درپیش چیلنجز

اس موضوع کے تحت میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بشارت کا کام کرنے کی کیا ضرورت ہے اور ہم بشارت کا کام کیوں کریں اس کی کیا وجوہ ہیں اور میں ان وجوہ کو پیش کرنے سے پیشتر ان مختلف چیلنجز کو پیش کرنا چاہتا ہوں جو کلیسیائے پاکستان کو درپیش ہیں۔ جب ہم ان چیلنجز پر بات کرتے ہیں تو ہماری غیرتِ ایمان بیدار ہو جائے گی اور پھر ہم بہتر طور پر اس موضوع کا مطالعہ کر پائینگے۔

کلیسیائے پاکستان کو یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ متی 20:19:28، متی 14;24، مرقس 15:16 اور اعمال 8:1 کے مطابق ہر مسیحی کا کام بشارت دینا ہے اور وہ بھی غیر مسیحیوں میں جا کر انجیل سنانا ہے۔ اور دانی ایل 3:12 میں مرقوم ہے "اور اہلِ دانش نورِ فلک کی مانند چمکینگے اور جن کی کوشش سے بہتیرے صادق ہو گئے ستاروں کی مانند ابدالآباد تک روشن ہوں گے۔" اور یہ ہمارا اجر ہے۔

## پہلا بڑا چیلنج

کلیسیا کو یہ بھی یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ ہمارے وطنِ عزیز میں ننانوے فیصد لوگ مسیحی نہیں ہیں اور ان میں سے اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جنہوں نے ابھی تک خوشخبری سنی ہی نہیں ہے اور وہ مسیح کے بغیر نا اُمیدی میں اور گناہ میں مر رہے ہیں اور ان کے پاس کوئی امید نہیں ہے کہ مرنے کے بعد وہ کہاں جائینگے انہیں کوئی یقین دہانی نہیں ہے اور لاتعداد لوگ جہنم کی نظر ہو رہے ہیں اور یہ سب سے بڑا چیلنج ہے جو کلیسیا کو درپیش ہے۔ پاکستان میں ہزاروں ایسے چھوٹے بڑے علاقے ہیں جہاں ابھی تک روحانی تاریکی ہے اور انجیل ابھی تک وہاں پہنچی ہی نہیں ہے۔ ان علاقوں میں نور بن کر چمکنا ہر مسیحی کا فرض ہے۔



## دوسرا بڑا چیلنج

جو ہمیں عالمی طور پر درپیش ہے وہ یہ ہے کہ ایک اندازے کے مطابق ویسے اندازہ کسی حد تک غلط بھی ہو سکتا ہے تو بھی ایک اندازے کے مطابق دنیا میں صرف ایک منٹ میں تقریباً آٹھ ہزار کے قریب لوگ مسیح کے بغیر مر جاتے ہیں۔ اور اگر ایک منٹ میں اتنے لوگ مرتے ہیں تو پھر ایک دن کا اور ہفتے، ماہ اور سال کا اندازہ خود لگالیں اور وہ جو مسیح کے بغیر مر جاتے ہیں ان کے خون کی باز پرس ہم سے ہوگی۔

## تیسرا بڑا چیلنج

دنیا کے سب لوگوں کو اگر ایک قطار میں کھڑا کر دیا جائے تو ہر چوتھا آدمی غیر مسیحی ہے۔ اور اگر ایک حقیقی مسیحی صرف چار لوگوں کو بشارت دے تو ساری دنیا میں بشارتِ انجیل کا کام بہ آسانی ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ کہ جب مسیحی حقیقی مسیحی ہو اور دوسرے لوگوں کیلئے درد اور بوجھ رکھے اور ارشادِ اعظم کی تکمیل کرنا جانتا ہو۔

## چوتھا بڑا چیلنج

دینِ اسلام بڑی تیزی سے بڑھ رہا ہے اور یہ کنورشن کے اعتبار سے بھی اور تعداد کی شرح کے اعتبار سے بھی بڑھ رہا ہے۔ اسلام یورپ کے ممالک میں دوسرا بڑا مذہب ہے جو نہایت تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ یورپ میں جو کالے لوگ ہیں وہ بڑی تعداد میں مسلمان ہو رہے ہیں۔ اس کی وجوہ میں ایک سب سے بڑی وجہ گوروں اور کالوں میں نفرت ہے۔ ماضی بعید میں گوروں نے کالوں پر ظلم کیا جس وجہ سے یہ نفرت ختم نہیں ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یورپ میں مسیحی کہتا ہے کہ ایک بیوی اور دو بچے جبکہ میرے مسلمان بھائیوں کی تعداد میں شرح پیدائش کے اعتبار سے بھی کافی اضافہ ہو رہا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اولاد خدا کی طرف سے برکت ہے جس وجہ سے وہ یورپ میں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کرنا برکت کی بات سمجھتے ہیں اور ممکن ہے کہ کسی وقت یورپ میں مسلمان بھائیوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو جائے کہ مسیحیوں کو ہاتھ دھونے پڑیں۔

ویسے بھی یورپ میں بہت کم لوگ ہیں جو مسیحی ہیں ۔ یاد رہے کہ کنورٹ ہونے والے کالے لوگ مسیحیت کی الف اور ب سے بھی نابلد ہوتے ہیں ۔ میرے ایک دوست نے کہا کہ یورپ میں جو مسیحی ہیں ان میں سے صرف 5 فیصد لوگ ایسے ہیں جو چرچ جاتے ہیں یہی دوسری بڑی وجہ ہے کہ کلیسیاؤں میں بیداری نہیں ۔ انگلینڈ میں تو یہ حال ہے کہ گرجے مساجد میں تبدیل ہو رہے ہیں ۔ مسیح یسوع نے مکاشفہ 2 باب میں افسس کی کلیسیا سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا ''مگر مجھ کو تجھ سے یہ شکایت ہے کہ تو نے اپنی پہلی سی محبت چھوڑ دی ۔ پس خیال کر کہ تو کہاں سے گرا ہے اور توبہ کر کے پہلے کی طرح کام کر اور اگر تو توبہ نہ کرے گا تو میں تیرے پاس آ کر تیرے چراغدان کو اس کی جگہ سے ہٹا دوں گا'' ۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یورپ میں وہ کلیسیائیں جو حقیقی تبدیل شدہ نہیں ہیں اور نہ تائب دل ہیں ان کے ساتھ ایسا ہی ہو رہا ہے کہ ان کے چراغدان اپنی جگہ سے ہٹائے جا رہے ہیں اور اہل مسیحیت کیلئے یہ نہایت ہی خطرناک بات ہے اور شرم ناک مرحلہ ہے ۔

## پانچواں چیلنج

میرے ایک اور دوست سے کسی اہم سرکاری ادارے کے بڑے افسر نے کہا کہ 2010ء میں پاکستان سے مسیحیت کا خاتمہ ہو جائے گا ۔ جب پوچھا گیا کہ آپ کو کیسے معلوم ہے؟ تو جواب ملا کہ پاکستانی کلیسیا میں جو نااتفاقی کی روح ہے یہی کلیسیا کی موت ہے ۔ کیا کسی حد تک یہ سچ نہیں ہے؟ جب کسی گھر میں بچہ پیدا ہوتا ہے تو بچہ تھوڑا بڑا ہوتا ہے اور آنکھیں کھول کر ادھر اُدھر دیکھنے لگتا ہے اور بچہ ابھی ایک دو ہفتے کا ہی ہوتا ہے ۔ تو جب والدین یا دادی، دادا اور نانی، نانا اُس بچے کی آنکھوں میں دیکھتے ہیں تو اپنے اپنے بیانات اُس بچے سے متعلق دیتے ہیں ۔ کوئی کہتا ہے ''دیکھا ہے آنکھیں کیسے پھیرتا ہے یہ بڑا ہو کر بڑا شیطان ہو گا'' ۔ دوسرا کہتا ہے کہ لگتا ہے یہ بڑا ہو کر بڑا سمجھدار ہو گا، شرمیلا ہو گا وغیرہ وغیرہ'' ۔ اسی طرح جب آج کلیسیا کی حالت دوسرے لوگ دیکھتے ہیں تو وہ اپنے اپنے اندازے لگاتے ہیں کہ اس کا مستقبل کیسا ہو گا ۔ ہمارے اندرونی اختلافات ناسور کی طرح ہیں ۔ لہٰذا ہم محتاط رہیں ۔



## چھٹا اہم چیلنج

ہمارے ملک میں جن لوگوں نے انجیل نہیں سنی اُن میں مخالف مسیح کی روح ہے کیونکہ وہ یسوع کے مجسم ہو کر اس دنیا میں آنے سے انکار کرتے ہیں ۔ (1 ۔ یوحنا 3:4; 2- یوحنا 7:1) ۔ اور ایسوں کو سمجھانے کی ضرورت ہے کہ ہم کیا ایمان رکھتے ہیں ۔

## ساتواں بڑا چیلنج

جب کسی غیر مسیحی سے انجیل کی بات کی جاتی ہے تو بالآخر نتیجتاً وہ یہ کہہ دیتا ہے کہ بھئی بات یہ ہے جانا سب نے ایک ہی جگہ پر ہے یہ الگ بات ہے کہ وہاں جانے کی راہیں مختلف ہیں ۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے مسیحی بھی اسی سوچ کے مالک ہیں وہ مسیح کو شخصی طور پر نہیں جانتے ۔ میں ذاتی طور پر ایسے شخص کے اس بیان سے قطعاً متفق نہیں ہوں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اور بھی کوئی راستے ہوتے تو پھر انسان کو ذہنی طور پر اُلجھانے کی پروردگار کو ضرورت ہی نہ تھی ۔ چونکہ خدا خود ایک ہے اور اُس کے پاس جانے کی راہ بھی ایک ہی ہے جس کے علاوہ اور کوئی راہ نہیں ہے اور یہ راہ بنائے عالم سے پیشتر خدا نے تیار کر رکھی ہے (پیدائش 15:3) اور وہ راہ یسوع مسیح ہے (یوحنا 6:14) ۔ اس کے علاوہ اور کوئی راہ نہیں ہے ۔ یہ الگ بات ہے کہ بہت سی راہیں ہیں جو انسان کو سیدھی معلوم ہوتی ہیں مگر اُن کی انتہا پر موت ہے اور جہنم ہے ۔ لہٰذا کبھی بھی ایسے شخص کی ہاں میں ہاں نہ ملائیں جو مختلف راہوں کی بات کرتا ہے ۔

ہم مادرِ وطن پاکستان کے لئے رب العزت کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہمیں آزادی حاصل ہے کہ اپنی مذہبی سرگرمیوں میں پورے پورے حصہ دار ہو سکتے ہیں ۔ اگرچہ گورنمنٹ سے اجازت تو طلب کرنی پڑتی ہے تو بھی ہم کھلے میدانوں میں اپنے عبادتی پروگرام کرتے ہیں ۔ یہ بات خداوند کی شکرگزاری سے تعلق رکھتی ہے کہ جتنے بھی اسلامی ممالک ہیں اُن میں اگر انجیل سنانے کی آزادی ہے تو صرف پاکستان میں ہی ہے ۔ یہ دروازہ کب بند ہو جائے گا؟ ہمیں معلوم نہیں ہے ۔ سیاسی حالات کے کایا پلٹنے سے یہ دروازہ بند ہو سکتا ہے ۔ لہٰذا ہمیں جتنا زیادہ ہو سکے

خداوند کے لئے کام کرنے اور اُس کی بادشاہی کے اس دھرتی پر لانے کے لئے سرگرمِ عمل ہونے کی ضرورت ہے۔ وہ رات ابھی نہیں آئی کہ کوئی کچھ بھی نہ کرپائے گا (یوحنا 4:9)۔

یہ وہ بڑے چیلنجز ہیں جو ہمیں درپیش ہیں اور صرف یہی نہیں ہیں بلکہ اور بھی بہت سے ہیں۔ لہٰذا کلیسیائی قائدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ کلیسیاء کو بیدار کریں اور بشارت کے کام کے لئے تحریک دیں۔



# بائبل مقدّس اور بشارت

بائبل مقدس میں بشارت ایک ایسا عمل ہے جو مسلسل جاری رہتا ہے۔ اس کا آغاز نسلِ انسانی کے آغاز سے ہی ہوا۔ گویا مجھے یوں کہنا چاہئے کہ جونہی انسان اپنے مقام سے گرا تو اُسی وقت سے یہ کام جاری ہوگیا کیونکہ یہ خدا کا ذاتی بوجھ ہے اور اسی طرح رہے گا۔ پیدائش 9:3 میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب انسان گناہ کے بعد اپنے آپ کو چھپانے لگا تو خدا نے اُس وقت اُس سے پوچھا کہ "آدم تو کہاں ہے؟" اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ خدا آدم کا پتہ پوچھ رہا تھا کہ تیرا مکان نمبر، گلی نمبر، فیکس و فون نمبر اور ای میل کیا ہے بلکہ وہ اُسے یاد دلانا چاہتا تھا کہ تیرا مقام کیا تھا اور تو کہاں سے گرا ہے اور اَب تو کہاں ہے۔ چنانچہ خدا اپنی محبت میں ہی پیدائش 15:3 میں نسلِ آدم کو پھر سے اُس کھوئے ہوئے مقام پر لانے کے لئے نجات دہندہ کا وعدہ بھی کرتا ہے جو کلامِ مقدس میں سب سے پہلا وعدہ ہے۔ پیدائش 6:6 میں ہم پھر سے انسان کی حالتِ زار کو دیکھ کر خدا کو رنجیدہ ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں کیونکہ خُدا انسان سے محبت کرتا تھا۔ چنانچہ پیدائش 12 باب میں ابرہام کو چنتا ہے کہ اس کی نسل سے وہ نجات دہندہ آئے اور یوں وہ دو ہزار سال پیشتر آیا بھی ہے۔ تو گویا میں یہ کہہ رہا ہوں کہ بشارت دینا خود خدا کا اپنا بوجھ بھی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کلامِ مجسم یعنی مسیح یسوع کا بھی بوجھ ہے۔ اور یہی بوجھ تھا جو اُسے عرش سے فرش پر لے آیا اور اسی بوجھ کی وجہ سے وہ صلیب پر بلیدان بھی ہوگیا۔ متی 9:35-38 میں مسیح کے بوجھ اور ترس کا بیان ہے۔ فلپیوں 2 باب میں اس کی محبت حلیمی اور انکساری کا بڑا واضح بیان ہے اسی بوجھ کے سبب سے تو اس نے اپنے دشمنوں کو معاف کیا اور گناہگار انسان کی سزا خود اٹھالی تاکہ ہماری بگڑی بن جائے۔ اور اس محبت کو دوسروں تک لے جانے کیلئے مسیح نے مشنری تیار کئے اور پھر اُن کو بھیجا کہ جا کر خوشخبری دوسروں کو سنائیں اور مسیح نے خود آسمان پر صعود فرمانے سے پیشتر یہ حکم بھی اپنے شاگردوں کو دیا کہ تم ساری دنیا میں جا کر انجیل

کی منادی کرو۔اور یہ حکم اُس وقت کے لئے ہی نہیں تھا بلکہ آج بھی یہ حکم ویسے کا ویسا ہے جو ہر ایماندار مرد اور عورت کے لئے ہے۔اس حکم سے متعلق متی 20-19:28، مرقس 15:16; متی 14:24، اور اعمال 8:1، دیکھئے۔

تیسری بات یہ ہے کہ یہ ایمانداروں کی اہم ترین ذمہ داری ہے کہ وہ دوسروں کو مسیح سے متعارف کروائیں اس کا سبب یہ ہے کہ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر کوئی اور دوسرا نام ہی نہیں ہے جس کے وسیلہ سے انسان نجات پا سکے لہٰذا یہ گنہگار شخص کے ساتھ ہمارا اظہارِ ہمدردی ہے کہ یسوع نام کو متعارف کروانے والے ہوں (اعمال 12:4)۔

پولس رسول اس خوشخبری کو سنانے کے اعتبار سے اپنے آپ کو قرضدار سمجھتا ہے۔اور کہتا ہے کہ میں انجیل سنانے سے شرماتا نہیں ہوں کیونکہ انجیل یعنی خوشخبری نجات پانے کے لئے خدا کی قدرت ہے۔(رومیوں 17-14:1)۔اسی طرح وہ بیان کرتا ہے کہ سردمہر اور ہٹ دھرم لوگوں کے لئے پیغامِ صلیب (نجات کا پیغام) بیوقوفی کی بات ہے لیکن نجات پانے والے لوگوں کے لئے قدرتِ خداوندی ہے(1۔کرنتھیوں 18-17:1)۔وہ اپنے آپ میں گنہگار لوگوں کے لئے اس قدر ترس اور بوجھ محسوس کرتا تھا کہ اُس نے کہا کہ خوشخبری سنانا میرے لئے ضروری ہے اور اگر میں نہ سناؤں تو مجھ پر افسوس ہے(1۔کرنتھیوں 16:9)۔وہ اس بات کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے کہتا ہے کہ مسیح کی محبت خوشخبری سنانے کے لئے مجھے مجبور کرتی ہے(2۔کرنتھیوں 14:5)۔

عہد جدید کے مطابق اور عہد عتیق کے مطابق بھی اگر ایماندار اس خوشخبری کا دوسروں سے بیان نہیں کرتا تو وہ ذمہ دار ہے اور گنہگار شخص کی موت کی بازپرس اُس ایماندار سے ہوگی جس نے جانتے ہوئے بھی انجیل نہیں سنائی (حزقی ایل 21-16:3 اور واعظ 10:9)۔اگر مسیحی ہو ایماندار اور خوشخبری نہ سنائے یہ ہو نہیں سکتا (اعمال 20:4)۔

عہد حاضر میں اس خوشخبری کے علاوہ اور کوئی بات ہی نہیں ہے جو لوگوں کو سنانے کے لئے ہو۔تو گویا یہ لوگوں کی بھی اہم ترین ضرورت ہے کہ اُنہیں خوشخبری ملے (اعمال 12:4) اور لوگوں کو اس راہِ حق سے متعلق جاننے کی بھی ضرورت ہے جو صرف ایک ہی واحد راہ ہے



(یوحنا 14:6)۔مکاشفہ کی کتاب میں آیا ہے کہ اگر کسی شخص کا نام کتابِ حیات میں لکھا ہوا نہ ملا تو پھر وہ آگ اور گندھک سے جلنے ملنے والی جھیل میں ڈالا جائے گا۔لہٰذا کتاب حیات میں نام اسی صورت میں ہو سکتے ہیں کہ لوگ خوشخبری سنیں اور کوئی سنانے والا ہو اور پھر سننے والے لوگ اُس خوشخبری کو قبول بھی کریں (مکاشفہ 15:20)۔یاد رہے کہ جو ہمارا کام ہے ہم اُسے کرنے والے ہوں اور جو کام خدا کا ہے وہ اُس پر چھوڑ دیں۔انجیل سنانا ہمارا کام ہے لیکن پھل پیدا کرنا خداوند کا کام ہے۔ہم لعزر کی قبر سے پتھر ہٹانے والے ہیں زندہ کرنا خداوند کا کام ہے اور اُسے اپنا کام کرنے دینا چاہئے۔ہمارے تبدیل کئے ہوئے لوگ قائم نہیں رہیں گے مگر جب خداوند تبدیل کرے گا تو پھر پھل قائم رہے گا۔

انجیل (خوشخبری) مسیحی ایماندار کے پاس ایک خزانے کی مانند ہے۔ہم اس کو اپنے تک محدود نہ رکھیں بلکہ اس کی قدر و قیمت کو جانتے ہوئے اس کا استعمال کرنے والے ہوں۔اسے جتنا زیادہ استعمال کریں گے اتنا ہی زیادہ فائدہ ہوگا۔

میرے ایک دوست اس تعلق سے ایک بار درس دے رہے تھے اور انہوں نے ایک بُوڑھیا اور اُس کے بیٹے کی مثال دی کہ یہی بُڑھیا اور اُس کا اکیلا بیٹا ہی گھر میں تھے مزید کوئی فردِ خانہ نہ تھا۔یہ بُوڑھیا کافی ضعیف تھیں اور بیٹا زیادہ کمانے کے لئے ملک سے باہر چلا گیا۔اس خاندان کی دوسری مشکل یہ تھی کہ دونوں میں سے کوئی بھی پڑھا لکھا نہ تھا۔چند ماہ گزر گئے اور بیٹا ہر ماہ کے آخر پر ماں کے بیانات کے مطابق ایک چھوٹی سی پرچی بھیج دیا کرتا تھا اور کوئی خط وغیرہ نہیں بھیجتا تھا کچھ عرصہ بعد ماں بیمار ہو گئی اور ڈاکٹر کو بلوا بھیجا۔ڈاکٹر جب واپس جانے لگا تو بُڑھیا نے کہا کہ بیٹا میں آپ کو فیس ضرور دیتی مگر میرے پاس پیسے اس وقت نہیں ہیں۔ڈاکٹر نے کہا کہ چلو یہ تو کوئی بات نہیں ہے لیکن آپ کا بیٹا باہر ہے اور پھر بھی آپ کے پاس پیسے نہیں؟۔بُڑھیا نے کہا کہ ہاں! میرا بیٹا باہر تو ہے مگر ماسوا ایک چھوٹی سی پرچی کے اُس نے کبھی ایک روپیہ بھی نہیں بھیجا۔اور میں نے بھی ایک ایک پرچی سنبھال کر رکھی ہوئی ہے اور جب وہ آئے گا تو میں اُس کے منہ پر ماروں گی۔

ڈاکٹر نے کہا کہ ماں جی کیا آپ وہ پرچیاں مجھے دکھا سکتی ہیں؟ ماں نے کہا ہاں ہاں ضرور دکھا سکتی ہوں۔ چنانچہ جب وہ ایک پرچی لائیں تو ڈاکٹر نے دیکھ کر کہا کہ ''ماں جی یہ تو کافی بھاری رقم کا آپ کے نام چیک ہے اور آپ اسے پرچی سی سمجھتی رہی ہیں؟ آپ ان سب چیکوں کو بینک میں جمع کروائیں تو بہت زیادہ رقم آپ کے اکاؤنٹ میں ہوگی۔ آپ کو تو معلوم ہی نہیں ہے کہ یہ ہے کیا؟۔

اسی طرح بے شمار مسیحی انجیل کے قدردان نہیں ہیں۔ وہ اسے عام سی مذہبی بات سمجھتے ہیں جبکہ یہ عام سی بات نہیں ہے بلکہ بہت ہی اہم بات ہے۔ یہ وہ خوشخبری ہے کہ جس کے قبول کرنے سے فردوس کے دروازے جو عدن سے ہی بند ہو گئے تھے کھُل جاتے ہیں اور انسان خدا کی قربت اور نزدیکی میں آ جاتا ہے۔ اگر اس کی قدر جاننا چاہتے ہیں تو پھر پولسؔ، پطرسؔ اور ستفنسؔ جیسے شہداء کی گواہیاں پڑھیں اور دیگر مسیحی شہداء کی سوانح عمریاں پڑھیں تو پھر اس کی قیمت کا اندازہ ہو جائے گا۔ ہمیں اس کی قدر اس لئے نہیں کہ ہمیں قیمت نہیں ادا کرنا پڑی، سولی نہیں چڑھنا پڑا، جانوروں کے آگے نہیں ڈالا گیا، سنگسار نہیں کئے گئے اور قید و بند کی زندگی نہیں بسر کرنا پڑی۔ اگر ہم ان حالات سے گزرتے تو اس کی قیمت کا اندازہ بھی ہوتا۔

میرے ایک محسن نے ایک مرتبہ کہا کہ جب مجھے زندگی میں پہلی بار ملک سے باہر جانے کا اتفاق ہوا تو میں اکیلا ہی سفر کر رہا تھا اور میرا جہاز اصل منزل پر پہنچنے سے پہلے کسی دوسرے ملک کے ایئرپورٹ پر اُترا اور وہاں کئی گھنٹے کا قیام تھا اور مجھے معلوم نہیں تھا کہ اَب میں یہاں پر کیا کروں۔ کہتے ہیں کہ تھک ہار کر بالآخر میں فلائٹ انکوائری کے کاؤنٹر پر گیا اور کہا کہ جناب میں تو یہاں پر پھنس کر رہ گیا ہوں، نہ میرے پاس یہاں کی کرنسی ہے اور نہ ہی میری بات کوئی سمجھتا ہے تو مجھے آخر کب تک یہ سزا برداشت کرنی ہوگی۔ وہاں پر موجود خاتون نے جواب دیا کہ ''ذرا اپنا ٹکٹ دکھایئے''۔ جب میں نے ٹکٹ دکھایا تو اُس خاتون نے کہا کہ جناب آپ ایسے ہی پریشان ہو رہے ہیں آپ کے ٹکٹ میں فائیو اسٹار ہوٹل میں کمرہ اور کھانا سب کچھ شامل ہے۔ وہ سامنے ایئرپورٹ ہوٹل ہے وہاں چلے جائیں تو آپ وہاں پر ٹکٹ دکھا کر قیام کریں اور پھر فلائٹ جانے



سے قبل ہوٹل کا عملہ آپ کو فلائٹ تک لے جائے گا۔

میرے یہ دوست کہتے ہیں کہ دیکھیں ''ٹکٹ میرے پاس تھا اور سب کچھ اُس میں شامل بھی تھا مگر میں پریشان تھا کیونکہ مجھے معلوم ہی نہ تھا کہ ہوٹل کا کمرہ تو میں اپنی جیب میں لئے گھوم رہا ہوں۔'' اسی طرح بہت سے ایسے مسیحی ہیں کہ چراغ تلے اندھیرے کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور اُن کو بھی جگانے اور بیدار کرنے اور انجیل کی قدر و قیمت کے اُن کے سامنے بیان کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ کیا ہے۔ یہ کام ہر اُس شخص کا ہے جو انجیل کی قدر و قیمت سے خود واقف ہے۔ اور مسیح خداوند کو جس نے شخصی نجات دہندہ قبول کیا ہو۔ یہ اُس کے لئے نہایت ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو مسیح سے متعلق بتائے اور یوں وہ روحانی قرض چُکانے والا ہو۔

# بشارتی کام کا ذِمّہ دار و مبشر کون ہے؟

میں نے یہ مضمون جان بوجھ کر چھیڑا ہے۔ بالفرض آپ اگر یہی سوال کلیسیا میں کسی سے اچانک پوچھ پڑتے ہیں تو غور کریں کہ جواب کیا ملے گا؟ میں نے گزرے سبق میں بڑے واضح طور پر یہ بیان کیا کہ یہ ذمہ داری ہر مسیحی ایماندار کی ہے۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت اس بات کی کوئی قید نہیں ہے۔ مگر افسوس اس بات کا ہے کہ آج بھی ایسے مسیحیوں کی کمی نہیں ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کام پادریوں، فادروں اور بشپوں کا ہے۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ اُنؑ کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ بائبل مقدس کے مطابق بشارتی کام کرنا ہر اُس مسیحی کی ذمہ داری ہے جو نئے سرے سے پیدا ہوا ہو۔

## (۱) جس کی زندگی پر اس خوشخبری کا اطلاق ہو۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اندھا اندھے کو راستہ نہیں دکھا سکتا ورنہ دونوں گڑھے میں ہوں گے۔ زبور 16:50، میں ہے کہ شریر کو میرے آئین بیان کرنے سے کیا واسطہ۔

مجھے ایک ڈاکٹر کی مثال نہیں بھولتی جو اپنی ساری سروس کے دوران افسرانِ بالا کے کھانے چیک کرتا رہا لیکن جب خود موا تو فوڈ پائزن سے مر گیا۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ ایسا نہ ہو کہ دوسروں میں تو منادی کرتا رہوں اور خود نامقبول ٹھہروں۔ جو کچھ میں دوسروں کو کرنے کے لئے کہوں اُس کی عکاسی پہلے میری اپنی زندگی سے ہونا ضروری ہے۔

میرے پاس کتب کا کافی ذخیرہ ہے۔ اور مجھے اُن کتب سے کافی پیار ہے۔ میں نے اپنی ایک الماری کے شیشے کے اندر ایک اسٹکر لگایا ہوا ہے جو میں نے خود بڑے خط میں لکھ کر لگایا ہے۔ اس اسٹکر پر لکھا ہے کہ ''اُس علم کی تعلیم مت دے جس کی عکاسی تیری اپنی زندگی سے نہیں ہوتی''۔ یہ اسٹکر آنے والے لوگوں کے لئے نہیں بلکہ میرے لئے ہے۔ کیونکہ آئے دن میرے پروگرام ہوتے رہتے ہیں اور ہر جگہ روحانی طور پر کچھ کھلانے کے لئے مجھے کچھ پکانا پڑتا ہے تو جب



میں الماری سے مدد کے لئے کوئی کتاب نکالتا ہوں تو یہ اسٹکر مجھے کچھ کہہ رہا ہوتا ہے کہ ''کہاں جا رہے ہیں جناب اور کیا سنائیں گے۔ ذرا دیکھو کہ اس کا اطلاق اپنی زندگی پر بھی ہوا ہے کہ نہیں؟'' لہٰذا خوشخبری سنانے والے کیلئے ضروری ہے کہ پہلے اپنی زندگی پر اُس کا اطلاق کرے۔

میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر میرا نام بشیر مسیح ہو یا مبشر مسیح ہو یا بشارت ہو لیکن بشارتی کام نہیں کر رہا ہوں تو اونچی دکان پھیکا پکوان والی بات ہے یا پنجابی میں ایک کہاوت ہے کہ ''نام بڑے تہ گراں اُجاڑ''۔ کسی نے کہا کہ

بات تب ہے کہ بدل جائے سرِشت انسان کی
ورنہ لکھنے کو تو لکھ دو اونٹ پہ لاری کا نام

خالی ناموں سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ زندگی میں ویسے کام نہ ہوں۔ مجھے غلط نہ سمجھئے، میں ایسے ناموں کے خلاف نہیں ہوں۔ مگر یہ کہتا ہوں کہ ناموں جیسے کام بھی تو ہوں۔ اگر کسی شخص کا نام ''پیارا مسیح'' ہو اور اُس کے کرتوتوں سے اہلِ محلّہ تنگ آئے ہوئے ہوں تو پھر یہ کیسا پیارا مسیح ہے؟۔ اسی طرح بے شمار مسیحی ایسے ہیں کہ گلے میں کراس لٹک رہا ہے مگر کراس والے سے قطعاً کوئی واقفیت نہیں ہے۔ اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر مسیح دل کے باہر ہے تو پھر اندر ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔

## (۲) ایک مبشر وہ ہے جو بشارت دے اور بشارت بھی اُن لوگوں میں دے جن میں بشارتی کام پہلے نہیں ہوا۔

یاد رکھئے کہ مبشر کا کام مسیحیوں میں نہیں ہے بلکہ غیر مسیحیوں میں ہے اور وہ بھی نئی جگہوں پر جہاں خوشخبری ابھی تک نہیں پہنچی۔ مسیحیوں میں خوشخبری ہر کسی نے کم از کم ایک بار ضرور سنی ہے۔ اب قبول کرنا یا نہ کرنا اُس مسیحی کا شخصی فعل ہے۔ ہمارا کام قبول کروا کر چھوڑنا نہیں ہے۔ ہمارا کام خوشخبری سنانا ہے۔ ہم گھوڑے کو پانی کے حوض کے پاس پانی پینے کے لئے لا تو سکتے ہیں مگر پانی پینے کے لئے ہم اُسے مجبور نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی کہے کہ میں مبشر ہوں اور ہر روز وہ عیسیٰ نگری میں گھسا

رہے یا وہ کہے کہ میں عیسیٰ نگری میں خدمت کرتا ہوں تو یہ سچ نہیں ہے۔ اُسے وہاں جانے پر پیٹ مجبور کرتا ہے۔ خدمت کے لئے نہیں جاتا کیونکہ مبشر کی مسیحیوں میں خدمت نہیں ہوتی ہے اور کوئی بھی شخص جس کی کلیسیائی زندگی میں پھل نہ ہو وہ مبشر بننے کے خواب دیکھتا ہے اور پھر کلیسیاؤں میں چیر پھاڑ کرتا اور اُلٹے سیدھے ٹیکے لگاتا رہتا ہے جو بالکل غلط بات ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارا فرض ہے کہ ایسے مبشروں کی اصلاح کریں اور اُن کو اپنے ملک میں وہ لوگ دکھائیں اور اُن میں بھیجیں جن میں بشارت دینے کی ضرورت ہے۔ محض روٹی کے پیچھے نہ بھاگیں بلکہ روٹی دینے والے کے پیچھے بھاگیں تو پھر یہ سب کچھ اُن کے پیچھے پیچھے آئے گا متّی 33:6- اس موضوع پر میں مزید کچھ کہوں گا لیکن اگلے صفحات پر کہوں گا۔

میرے ایک بزرگ پادری الیاس طارق صاحب جو خداوند میں سو گئے ہیں۔ خداوند نے اُن کو غیر اقوام سے بلایا تھا اور بڑی برکت دی تھی۔ انہوں نے جو کہنا ہے وہ کہہ دینا ہے خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔

ایک مرتبہ انہوں نے کہا کہ میں اپنے گھر میں ایک اہم میٹنگ میں مصروف تھا اور باقی اہل خانہ گھر پر نہ تھے اور اچانک کسی نے دروازے پر دستک دی۔ میں نے دروازہ کھولا تو مہمان نے کہا کہ میرا نام ''مبشر فلاں فلاں'' ہے۔ میں تو اُس شخص کو نہیں پہچانتا تھا۔ اور میں نے اُس سے کہا کہ اگر کوئی ضروری کام ہو تو پھر کبھی آئیے گا اور فون کر کے وقت لیجئے گا۔ کیونکہ ابھی میں ایک نہایت ہی اہم میٹنگ میں مصروف ہوں۔ چنانچہ مبشر صاحب نے کہا کہ جناب میں انجیل کا مبشر ہوں اور بشارت دینے کے لئے آیا ہوں۔ حالانکہ پادری صاحب کے دروازے پر نام پلیٹ صاف ظاہر کرتی تھی کہ یہ کسی مسیحی کا گھر ہے۔ پادری صاحب کہتے ہیں کہ میں نے 5 روپے اُس کی جیب میں ڈالے اور بازو سے پکڑ کر گلی کے کونے پر لیجا کر سامنے مسجد دکھائی اور کہا کہ مجھے تو کئی برس پہلے ہی بشارت مل چکی ہے لیکن ابھی چند منٹ کے بعد بہت سے لوگ مسجد سے نماز پڑھنے کے بعد باہر آئیں گے لہٰذا آپ جا کر اُن میں بشارت دیں۔ اور یہ کہنے پر مبشر صاحب ناراض ہو گئے۔ لہٰذا مختصراً میں یہ کہہ رہا ہوں کہ ہمارا کام ہے کہ ایسے لوگوں کی ہم اصلاح کریں جو بے یا اور



بلاہٹ کے تحت نہیں بلکہ پیٹ کے لئے خدمت کرتے ہیں۔

میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ ایک مبشر کبھی بھی مسیحیوں میں نہیں جا سکتا۔ وہ جا سکتا ہے مگر اوّلیت وہ غیر مسیحیوں کو دے اور اگر مسیحیوں میں سے کوئی خاندان یا کلیسیا اُسے بلاتی ہے تو صرف اسی صورت میں جائے اور اُن لوگوں کے لئے دعا کرے ورنہ نہ جائے۔

اعمال 8:1 جو بشارت کے تعلق سے ہماری مرکزی آیت بھی ہے اس میں یروشلیم میں ہی نہیں بلکہ دوسرے علاقوں کے غیر مسیحی لوگوں میں بھی بشارت دینے کے لئے کہا گیا (متّی 28:19-20)۔ ابتدائی کلیسیا کے ایمانداروں نے ایسا ہی کیا اور رسولوں کو منادی کے لئے دعائیہ مدد کے ساتھ بھیجا۔ پولس رسول نے غیر اقوام میں منادی کی اور مکدنیہ اور گلتیہ کے صوبے میں کئی کلیسیائیں قائم ہوئیں۔ پولس خداوند کی طرف سے غیر اقوام میں منادی کرنے کا چُنا ہوا وسیلہ تھا۔

## (۳) ایک مبشر کے لئے ضروری ہے کہ وہ محض زبانی ہی نہیں بلکہ عملی طور پر بھی گواہ ہو۔

میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ سنانے والا ہی نہ ہو بلکہ اپنی زندگی سے دکھانے والا بھی ہو۔ حیران کُن بات یہی ہے کہ آج خادم ''مسیح'' کو سناتے ہیں جبکہ لوگ مسیح کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور جب ہم اپنی زندگی سے مسیح کو دکھائیں گے تو چار انا جیل تو تحریری صورت میں ہمارے پاس ہیں اور پانچویں انجیل ہم عملی صورت میں ہوں گے۔ اور ثابت کرینگے کہ ہم شرابی، زانی اور بُت پرست نہیں ہیں۔

مسیح نے اپنے شاگردوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم زمین کا نمک ہو اور اگر آج ہم زمین کا نمک ہیں تو پھر ہماری نمکینی کہاں ہے؟ ہم اپنے بارے میں سوچیں کہ اس بے مزہ معاشرے میں ہم نے کتنے لوگوں کی زندگیوں کو نمکین کیا۔ اگر ہم دنیا کے نور ہیں تو پھر اس تاریک معاشرے میں کتنے لوگوں و خاندانوں کو ہم نے منوّر کیا۔ کسی نے کیا خوب کہا کہ ۔

سیرت نہیں تو صورت و انداز سب غلط
خوشبو اُڑی تو پھول محض رنگ رہ گیا

تو حاصل کلام یہ ہے کہ عملی زندگی کے بغیر مسیحی کچھ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ ہم مسیح کے لہو سے لکھے ہوئے وہ خط ہیں جو پڑھے جاتے ہیں۔ اگر خط ہے تو اُس میں پیغام ہے ورنہ خط بھی نہیں ہے۔

ایک مرتبہ کراچی میں ایک بہت بڑا سیمینار تھا اور بے شمار خدام دین اُس پروگرام میں آئے تھے۔ مجھے ترجمہ کرنے کے لئے مدعو کیا گیا تھا۔ سیمینار والوں نے پرنٹ کئے ہوئے کچھ گیتوں کے بڑے خوبصورت پیپرز ہمیں دیئے۔ میری بیٹی ابھی 6 سال کی تھی اور وہ بھی میرے ساتھ تھی۔ سیمینار کے آخر پر چند خادم میرے پاس کھڑے تھے اور مجھ سے کچھ باتیں کر رہے تھے۔ اور میری بیٹی بھی وہ گیتوں کے کاغذ ہاتھوں میں رول بناتی ہوئی کھڑی تھی۔ چنانچہ میں نے اپنی بیٹی کی طرف توجہ دیتے ہوئے کہا کہ ”بیٹے یہ پیپرز بہت اچھے ہیں لہٰذا آپ ان کا رول نہ بنائیں کیونکہ کل پھر ہم ان کو استعمال کریں گے“۔ میری بیٹی نے میری بات مان لی اور کاغذوں کو صحیح طور پر اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیا۔

دوسرے دن صبح وہی گیت کے پیپرز میرے ہاتھ میں تھے اور میں ایک خادم کے ساتھ کھڑا اہم موضوع پر بات کر رہا تھا اور اُن پیپرز کا میں بھی بے خیالی میں اپنے ہاتھوں میں رول بنا رہا تھا اور پاس ہی میری بیٹی کھڑی میرے ہاتھوں کی طرف دیکھتی جا رہی تھی۔ اور جب میں نے اُس کی طرف توجہ دیتے ہوئے پوچھا کہ بیٹے کیا بات ہے تو اُس نے ہنستے ہوئے یہ جواب دیا کہ ”ڈیڈی کل تو آپ مجھے منع کر رہے تھے کہ اِن گیتوں کا رول نہ بناؤ اور آج آپ خود وہی کر رہے ہیں۔“ آپ کو حیرانگی ہوگی کہ مجھے بہت زیادہ شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔ عام لوگوں کی باتیں زیادہ نوٹس میں نہیں لی جاتیں جتنا خادموں کی باتوں کا نوٹس لیا جاتا ہے اور ہمارے ہر ایکشن پر لوگوں کی نظر ہوتی ہے۔

متی 16:5 میں ہے کہ اسی طرح لوگ تمہارے نیک کاموں کو دیکھ کر تمہارے باپ کی جو آسمان پر ہے تمجید کریں۔ یہ بات یاد رکھنے سے تعلق رکھتی ہے کہ سب سے زیادہ خوبصورت لوگ



وہ ہوتے ہیں جو مسیح کو اپنی زندگی سے ظاہر کریں یا دکھائیں۔ کسی نے یہ بھی کہا کہ ہمارے اعمال ہمارے الفاظ سے زیادہ اونچی آواز میں بولتے ہیں۔

یہاں پر میں لوقا 10 باب سے زکائی کی مثال دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ اُس کے دل میں یسوع کے دیکھنے کی کس قدر آرزو تھی۔ یہاں تک کہ وہ صرف یسوع کو دیکھ لینا ہی کافی سمجھتا تھا۔ مگر جب یسوع نے اُسے دیکھا تو کہا کہ مجھے تیرے گھر جانا ضرور ہے۔ جب یسوع زکائی کے گھر جاتا ہے تو پھر زکائی نے کیا کیا ہمیں معلوم ہے۔ زکائی نے جب یہ سنا کہ آج اس گھر میں نجات آئی ہے تو پھر اُس نے کھڑے ہو کر کوئی لمبی چوڑی تقریر نہیں کی اور نہ ہی کوئی زبانی گواہی دی کہ میں کس قدر بُرا شخص تھا اور اَب میں نے مسیح کو قبول کیا ہے۔ بلکہ وہ کھڑا ہوا اور عملی طور پر گواہی تھی۔ اُس نے ناحق لیا گیا پیسہ لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ لہٰذا میں یہ کہتا ہوں کہ زبانی گواہی دینا بھی اچھا ہے مگر عملی طور پر باطنی تبدیلی کا اظہار کرنا سب سے بڑھ کر ہے۔

## (۴) ہر مسیحی ایماندار جو نئی پیدائش کا تجربہ رکھتا ہے وہ خداوند کی طرف سے بشارتی کام کے لئے بلایا گیا ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ ہماری بلاہٹ مختلف طور پر مختلف مقاصد کی تکمیل کے لئے مختلف فیلڈز میں ہو سکتی ہے لیکن یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں بشارتی کام نہیں کر سکتا کیونکہ یہ میری نعمت نہیں ہے۔ اصل میں یہ نعمت کی بات نہیں ہے بلکہ بلاہٹ کی اور خداوند کے حکم کی فرمانبرداری کی بات ہے۔ ہاں خدا بعض لوگوں کو کُل وقتی خدمت کے لئے بلاتا ہے۔ جبکہ بعض کو جز وقتی خدمت کے لئے بلاتا ہے۔ اور بلایا ہوا ہونا ضروری ہے۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ آج بہت سے ایسے لوگ ہیں جو خدا کی طرف سے بلائے ہوئے نہیں ہیں اور ظاہر کرتے ہیں کہ بلائے ہوئے ہیں۔ اور اُن کے بلائے ہوئے ہونے یا نہ ہونے کا اندازہ اُن کی بے پھلی ہونے اور پیٹ کی خدمت کے ذریعے سے لگایا جا سکتا ہے۔

جب خدا کسی کو بلاتا ہے تو پھر کام بھی لیتا ہے بلکہ اُن میں ہو کر کام کرتا ہے۔ موسیٰ کو

لیجئے جب خدا نے اُسے بلایا تو اُسے اپنی کمزوریاں نظر آ رہی تھیں، یرمیاہ کو بلایا تو اُسے اپنا تجربہ کار نابالغ ہونا سامنے نظر آ رہا تھا جب عاموس کو بلایا تو اپنی حیثیت اُس کے سامنے آ رہی تھی اور یہ سب لوگ اپنے آپ کو اس عظیم خدمت کے لائق نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن جب خدا نے چُنا تو وہ اُس کے لئے عظیم ہتھیار ثابت ہوئے۔

اُس وقت خدا چُنتا تھا اور کام بھی لیتا تھا۔ آج بندہ اپنا انتخاب خود کرتا ہے جس کی وجہ سے پھل بھی نظر نہیں آتا بلکہ بھیڑیں چُرائی جاتی ہیں اور مسیحی بستیوں کے علاوہ انہیں وسیع فیلڈ نظر ہی نہیں آتا اور یوں مختلف تنظیموں نے مسیح کے بدن کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور محبت کے بجائے نفرتوں نے جگہ لے لی ہے اور نہ تو باطن تبدیل اور نہ ہی ظاہر تبدیل نظر آتا ہے۔ ایک سرائیکی شاعر نے کیا خوب کہا۔

جتھ ظاہر باطن ڈو ہوین چھڑے چٹے منہ ہوین
ایہہ لیڈر قوم کوں کیا ڈیسن جنہڑے اندروں کالے دھوں ہوین

## (۵) ایک دیانتدار اور بلائے ہوئے مبشر یا خادم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی بلاہٹ کو پہچانے

اور اپنے آپ کو عام دنیاوی معاملات میں نہ پھنسائے۔ اس کی ایک بہترین مثال ہمیں اعمال 6، باب میں ملتی ہے۔ جہاں کسی بھی چیز کی کثرت ہو، خواہ آبادی ہو یا ٹریفک، پیسہ ہو یا سکول ہمیں اصولوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ابتدائی کلیسیا جب بڑھنے لگی تو وہاں بھی شکایات ہونے لگیں اور وہاں کے ایماندار کہنے لگے کہ ہم رسولوں کو اس مسئلے سے آگاہ کرتے ہیں تاکہ وہ بیواؤں کی خبر گیری میں ہماری مدد کریں۔ جب رسول آئے اور اُن سے اس مسئلے کا بیان کیا گیا تو آپ حیران ہوں گے کہ رسول اس مسئلے سے آگاہی پا کر خلافِ توقع جواب دیتے ہیں۔ اگر آج کل کا کوئی لیڈر ہوتا تو کہتا نہیں نہیں میں بیوہ فنڈ کا چیئرمین بنوں گا۔ لیکن رسول کہنے لگے کہ نہیں۔ ہمارا کام دعا کرنا اور کلام کی خدمت کرنا ہے اور ہم تو اسی میں مصروف رہیں گے۔ رہی بات اس



مسئلے کے حل سے متعلق تو بہتر ہے کہ آپ لوگ اپنے میں سے ایسے دیانتدار آدمی چُن لیں جو دانا ہوں اور روح القدس سے معمور ہوں اور وہ یہ کام کرنے والے ہوں۔ یہ ہمارا کام نہیں ہے۔ یہ رسول جانتے تھے کہ خدا نے ہمیں کس مقصد کے لئے بلایا ہے اور ہماری خدمت کیا ہے اور وہ اسی خدمت میں لگے رہے کیونکہ وہ اپنی بلاہٹ کو پہچانتے تھے۔

## (۶) کسی بھی مبشرِ انجیل کا رُوحانی جنگجو ہونا ضروری ہے

کیونکہ ابلیس جو شیر ببر کی طرح دھاڑتا پھرتا ہے اُس کے منہ سے لوگوں کو نکالنا آسان بات نہیں ہے۔ یہ ایک روحانی جنگ ہے جو دعا کے ذریعہ گھٹنوں پر ہی لڑی جا سکتی ہے۔ دعا کے ذریعہ سے مبشر خدا کی مرضی معلوم کرتا، دلیری پاتا اور رُوحانی قوت پاتا ہے اور خدا کی مرضی کو اس دھرتی پر لانے کا وسیلہ بنتا ہے۔ لہٰذا دعا مبشرِ انجیل کی زندگی میں ایک اہم جزو ہو۔ اس کے بغیر وہ بشارت کا کام کر نہیں سکتا۔ یسوع ساری ساری رات دعا کرتا تھا اور اگر ابنِ خدا ہونے کی صورت میں اُسے اتنی زیادہ دعا کرنی پڑی اور اگر اُس سے زیادہ ہم نہیں کرتے تو صاف ظاہر ہے کہ ہم اُس سے زیادہ زور آور ہیں۔ حالانکہ یہ ہو نہیں سکتا۔

جن لوگوں نے دعا کرنے کا راز جان لیا اُن کے لئے آگ کی بھٹیاں ٹھنڈی ہو گئیں۔ شیروں کے منہ بند ہو گئے۔ سورج اپنے مقام پر ٹھہر گئے اور آسمان بند ہو گیا کہ بارش نہ ہو اور پھر دعا کرنے پر آسمان کھلا اور بارش ہوئی۔ دعا کے ذریعے ہی آسمان سے آگ نازل ہوئی اور مذبح جلا دیا۔ قید خانوں کی بنیادیں ہل گئیں اور بیمار شفا پائے اور طوفان تھم گئے۔

کلامِ مقدس میں جتنا کچھ دعا سے متعلق کہا گیا ہے اُتنا شاید ہی کسی اور موضوع پر کہا گیا ہو۔ عہدِ جدید میں یعقوب رسول کو "دعا کا رسول" بھی کہا جاتا ہے۔ اُس نے اپنے خط میں دعا سے متعلق بہت کچھ کہا۔ وہ کہتا ہے کہ اگر کسی میں حکمت کی کمی ہو تو خدا سے مانگے، اگر کوئی خوش ہو تو حمد کے گیت گائے، اگر کوئی بیمار ہو تو کلیسیائی بزرگوں کو بلایا جائے کہ اُس پر ہاتھ رکھ کر اور تیل مل کر دعا کریں، وہ ایلیاہ کی دعا کا نمونہ دیتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر یعقوب خود دعا گو نہ ہوتا تو وہ اس طرح کی باتیں کبھی نہ کہہ پاتا۔

مجھے ایک کتاب پڑھنے کا اتفاق ہوا اور وہ مقدس یعقوب کی زندگی سے متعلق تھی۔ اُس میں مصنف کہتا ہے کہ جب یعقوب خداوند میں سویا تو جن لوگوں کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اُس کی لاش کو نہلائیں انہوں نے بعد میں جو گواہی دی وہ کچھ یوں ہے کہ ''جب ہم یعقوب کو نہلا رہے تھے تو دیکھا کہ اُس کے گھٹنے اور ٹخنے اور کُہنیاں ایسے ہیں جیسے اونٹ کے ہوتے ہیں۔'' تو آپ خود اندازہ لگائیں کہ وہ کتنی زیادہ دعا کرتا ہوا ہوگا کہ اُس کے گھٹنے ایسے ہو گئے تھے جیسے اونٹ کے ہوتے ہیں۔ کیا اس میں ہمارے لئے کوئی سبق ہے؟ سوچئے ذرا!

پاکستانی کلیسیائی تاریخ میں ایک مشنری بنام جان ہائیڈ ہو گزرے ہیں۔ اور وہ شخص بھی انتہائی دعا گو تھا۔ کتب شاہد ہیں کہ ''سیالکوٹ کنونشن'' کا آغاز اُسی شخص نے کیا۔ اس کنونشن کے آغاز کے لئے جب مردِ خدا کو بوجھ ملا تو کچھ ہم خدمت ساتھیوں سے مشورہ بھی لیا کہ یہ کنونشن کیسے کامیاب ہو سکتی ہے۔ ایک خادم نے جان سے کہا کہ میں نہیں سمجھتا کہ یہ کنونشن کامیاب ہوگی کیونکہ یہ کافی دور جگہ ہے اور لوگ کیسے یہاں آئیں گے۔ جان نے کہا کہ یہ کنونشن ہوگی اور خوب کامیاب ہوگی۔ کئی ساتھی ساتھ چھوڑ گئے مگر جان ہمت نہ ہارا۔ جان نے علیحدگی میں کئی کئی گھنٹے اس کنونشن کی کامیابی کے لئے دعا میں گزار دیئے۔ اور یوں وہ وقت آیا کہ مقررہ تاریخوں پر کنونشن ہوئی جو ساتھی ساتھ چھوڑ گئے تھے وہ تماشہ دیکھنے لگے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسے لوگوں کی آج بھی کمی نہیں ہے۔ تاہم یہ کنونشن اس قدر کامیاب ہوئی کہ لوگ دیکھتے ہی رہ گئے کیونکہ خداوند نے اپنے خادموں کے وسیلہ سے اپنا زورِ بازو اور قدرت دکھائی تھی۔ خدا آج بھی ایسا کر سکتا ہے مگر وہ ایسے بندے ڈھونڈتا ہے جو اُس کے دل کے ہوں۔

کنونشن کے چند ہفتے بعد ایک شخص تماشائیوں میں سے وہی جس نے کہا تھا کہ یہ کنونشن کامیاب نہیں ہوگی جان کے پاس آ کر کنونشن کی کامیابی کا راز پوچھتا ہے۔ چنانچہ اس خادم کو جان باہر صحن میں لے جاتا ہے جہاں پر گھاس اُگی ہوئی تھی اور جان وہاں ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ راز ہے۔ جب اس خادم نے اُس طرف دیکھا تو جہاں پر جان کا ماتھا ٹکتا تھا، ہاتھ لگتے تھے اور گھٹنے ٹکتے تھے وہاں سے گھاس ہی اُڑی ہوئی تھی۔ تب اس خادم کا شک دور ہوا اور



خدا کی قدرت پر مزید یقین کرنے لگا اور دعا میں زیادہ وقت گزارنے لگا۔

حال ہی میں پنجاب میں ایک سیمینار ہوا جس میں تقریباً ۳۰۰ خدّامِ دین تھے اور اُن میں ایک خادم کراچی سے بھی گیا ہوا تھا۔ جب وہ واپس کراچی آیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ ہاں جی سنائیں کوئی خاص بات سیکھی ہو تو مجھے بھی سکھائیں۔ اُس خادم نے کہا کہ اس سیمینار کا موضوع دعا تھا اور اسپیکر خادم کوریا سے آئے تھے۔ ایک سیشن میں ایک کورین سپیکر نے کہا کہ وقت کی بھی دَہ یکی ہے اور اس حساب سے ایک دن میں دو گھنٹے چالیس منٹ دَہ یکی بنتی ہے۔ اس خادم نے شرکاء سے پوچھا کہ آپ میں سے کتنے ایسے خادم ہیں جو دن میں تین گھنٹے دعا کرتے ہیں؟ جواب میں صرف چار خادموں کے ہاتھ کھڑے تھے جو یہ کہہ رہے تھے کہ ہم ہر روز تین گھنٹے دُعا کرتے ہیں۔

تب ایک خادمہ آئی اور اُس نے کہا کہ ابھی آپ کو بھی اندازہ ہو ہی گیا ہوگا کہ آپ کتنے دعا گو ہیں اور پھر پاکستان میں بیداری کے آنے کے خواب دیکھ رہے ہیں؟ یہ ہو نہیں سکتا۔ اور شاید آپ خادم میرے ساتھ متفق نہ ہوں اور یہ کہیں کہ اِس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ بغیر دعا کے ہی پاکستان میں جو تھوڑا بہت کام ہو رہا ہے وہ ہو رہا ہے۔ اُس خادمہ نے کہا ہاں ہاں میں آپ سے متفق ہوں کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ دعا کے وسیلہ سے ہی ہو رہا ہے مگر اس کے پیچھے آپ کی دعائیں نہیں ہیں بلکہ ہماری دعائیں ہیں۔ ہم کوریا میں پاکستان میں بیداری کے آنے کے لئے جو بیس گھنٹے پہاڑوں پر جا کر علیحدگی میں دعا کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ خادم جو شراکت کے لئے وہاں گئے تھے وہ دعائیہ تحریک لے کر واپس آئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں خداوند کو وقت نہ دینے کے لئے بھی توبہ کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ دعا پاکستان میں ہو رہی ہو تو ہم اس کے ذریعے روحانی طور پر ڈاکٹر یلّی گراہم کے ساتھ کھڑے ہو سکتے ہیں تو گویا جہاں ہم خود نہیں جا سکتے وہاں ہم دعا کے ذریعے جا سکتے ہیں۔ تو بھی ہم یاد رکھیں کہ خالی دعا ہی کافی نہیں ہے بلکہ فیلڈ میں جا کر کام بھی کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ دعا گزوں سے ماپی نہیں جاتی بلکہ اس کا وزن ہوتا ہے

اور یہ دعا رسمی نہ ہو بلکہ دل کی گہرائیوں سے ہو رہی ہو۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ دعا اور دیگر مسیحی خدمات میں ایک توازن پایا جانا ضروری ہے۔ کیونکہ روحانیت کا دارومدار اس بات پر نہیں ہے کہ ہم جماعت میں کتنی لمبی دعا کرتے ہیں بلکہ اس میں ہے کہ ہم منسٹری کے کام کے لئے کتنا بڑا چیک لکھ کر دیتے ہیں۔ یاد رہے کہ ہم اُس وقت تک خداوند کے لئے وقف نہیں ہو سکتے جب تک کہ ہماری جیب وقف نہ ہو جائے۔ دعا میں خدا الفاظ سے زیادہ ہمارے دل کی سنتا ہے۔

روحوں کے جیتنے کے لئے دعا کرنا ضروری ہے (متی 9:35-36)۔ یسوع نے کہا کہ فصل کے مالک کی منت کرو کہ وہ مزدور بھیجے۔ ضرور ہے کہ ہم روحانی بچوں کو جنم دینے کیلئے راخل کی طرح دعا کریں جیسے پیدائش 30:1 میں اُس نے یعقوب سے کہا کہ مجھے اولاد دے نہیں تو میں مر جاؤں گی۔ کیا ہم نے کبھی رُوحانی بچوں کی پیدائش کے لئے اسطرح بوجھ کے ساتھ دعا کی؟

جان ناکس نے یوں دعا کی کہ "اے خدا مجھے سکاٹ لینڈ دے دے ورنہ مجھے موت دے دے۔" یہ لوگ اپنی زندگی اور خدمت میں دعا کی اہمیت کو جانتے تھے۔ اور خدا نے اِن کے وسیلہ سے کام بھی کیا۔ مسیحی زندگی میں دعا کو اہم مقام حاصل ہے اور خدارا اس سے لاپرواہی نہ برتی جائے۔ ورنہ روحانی اعتبار سے ہم کھوکھلے اور بے پھل ہوں گے۔

## (۷) ایک اچھا مبشر تربیت پانے والا اور تربیت دینے والا ہوتا ہے:

اسکی بہترین مثال پولس رسول ہے۔ وہ ایسا مبشر تھا جو تھیوری کے لحاظ سے بھی اور عملی طور پر بھی سکھانے والا تھا۔ 2۔ تیمتھیس 2:2۔ میں وہ دوسروں کو تربیت دینے کیلئے تیمتھیس کا حوصلہ بڑھاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ جو باتیں تو نے مجھ سے اور بہت سے اور گواہوں سے سنی ہیں اُنہیں ایسے دیانتدار آدمیوں کے سپرد کر جو اوروں کو بھی سکھانے کے لائق ہوں۔ اور یسوع مسیح نے بھی تو شاگردوں کو ساتھ رکھا اور اُن کو تربیت دی۔ پولس رسول 1۔ کرنتھیوں 23:11 میں کہتا ہوں کہ جو بات مجھے پہنچی وہ تمہیں پہنچاتا ہوں۔ تو گویا وہ اس میں دیانتدار تھا۔ کیا ہم بھی دیانتدار ہیں۔

اگر آج پاکستان میں ہی بشارت کا کام نہیں ہو رہا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر مسیحیوں میں بشارتی کام کرنے کے لئے ٹیچنگ و ٹریننگ کا فقدان ہے۔ مجھے سنگاپور میں ایک خادم سے ملنے کا



شرف حاصل ہوا جس نے ایک ہی "مادر چرچ" سے 6 ماہ میں 600 نئی کلیسیائیں قائم کیں اور جب مجھے اُس سے یہ راز پوچھنے کا اتفاق ہوا کہ اتنے قلیل سے عرصہ میں اتنی کلیسیائیں کیسے بن گئیں تو جواب میں اُس نے کہا کہ "بھائی میری کلیسیاء کا ہر ممبر روح القدس سے معمور ہے اور وہ مبشر ہے"۔ لہٰذا میری کلیسیاء کا ہر ممبر جہاں پر رہائش پذیر ہے وہاں پر ایک جماعت اُس نے قائم کی ہوئی ہے۔

لہٰذا ہم اگر آج اپنے ملک پاکستان میں بشارت کے تعلق سے اپنے لوگوں کو تعلیم و تربیت دیں تو ہم جلد ہی اس کے نتائج دیکھ سکیں گے۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ ہماری کلیسیاؤں کے اپنے جھگڑے ہی ختم نہیں ہوتے۔ کئی کئی سال ہم بشپ کے انتخاب کے لئے آپس میں محاذ آرائی کرتے رہتے ہیں اور پھر بھی کچھ حاصل نہیں ہوتا اور غیر قوموں کے لئے ٹھوکر کا سبب بنتے ہیں۔ اور نہ دکھاتے ہوئے اُنہیں یہ دکھا رہے ہوتے ہیں کہ ادھر نہ آئیں کیونکہ ہم ایسے ہیں۔

میرے ایک اُستاد جو سنگاپور میں ہمیں پڑھاتے تھے اُنہوں نے کہا کہ پاکستان وہندوستان کی کلیسیائیں پلے گراؤنڈ کی طرح ہیں جہاں پر گیارہ کھلاڑی کھیلتے ہیں اور گیارہ ہزار تماشہ دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہماری کلیسیاؤں میں چند لوگ صفِ اوّل میں کام کرتے ہوئے نظر آتے رہتے ہیں جبکہ باقی لوگ بیٹھے رہتے ہیں اور کلیسیا میں اپنی کوئی ذمہ داری نہیں سمجھتے۔ انہوں نے کہا کہ اس طرح کے تماشائیوں کی نہ تو کلیسیا میں اور نہ ہی خدا کی بادشاہی میں جگہ ہے۔ ایسے لوگ چرچ آ کر پادری صاحب پر احسان کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری کلیسیائیں محدود ہیں کہ نکمے اور نکھٹو ممبران کی بھرمار ہے لیکن کام کرنے والے لوگ بہت ہی کم نظر آتے ہیں۔ میں شخصی طور پر تو ہر کلیسیا میں جانے سے رہا اسی لئے میں نے یہ کتاب تحریر کی کہ کلیسیائیں اس سے مستفیض ہو سکیں اور آگے بڑھ سکیں۔

## (۸) ایک مبشر کا صا دلیر اور پُردبار ہونا ضروری ہے:

اگر کوئی شخص نئی پیدائش پایا ہوا نہ ہو تو یہ خصوصیات اُس میں پیدا نہیں ہو سکتیں۔ کئی لوگ آج بھی کلیسیا میں ہیں جو نئی پیدائش کا دعویٰ کرتے ہیں مگر زندگی اس کے برعکس ہے۔ کوئی بھی مبشر

صرف اسی صورت میں دلیر اور صابر ہو سکتا ہے کہ اُس کی میں اور خودی مصلوب ہوئی ہو۔ یہ خدمت اتنی آسان نہیں ہے۔ اس میں قدم قدم پر دُکھ اور تکالیف منتظر ہوتے ہیں۔ اور بندہ ہو خدا کا خادم اور پھر دُکھ نہ ہو یہ ہو نہیں سکتا۔

میری دلپسند کتب میں سے ایک کتاب "تقلید المسیح" ہے جو ایک رومن کیتھولک بزرگ ٹامس کی تصنیف ہے اور ایک مسیحی کے لئے انہوں نے کہا کہ "اگر تو ہے مسیحی اور گزرے ہفتے میں تو دکھی اور پریشان نہیں ہوا تو دیکھ کہ کہیں رب تجھ سے ناراض تو نہیں ہے"۔ اور اسی بات کو ایک اور جگہ پر دوسرے انداز میں بیان کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ "اگر گزرے پورے ہفتے تو دکھی اور پریشان نہیں ہوا تو دیکھ کہ کہیں تو نے دنیا کے ساتھ سمجھوتہ تو نہیں کر لیا"۔ تو گویا اس خدمت میں مسائل ہیں اور مخالفتوں کا بھی ہونا ضرور ہے۔ اور جب ہماری میں مصلوب ہوئی ہو گی تو پھر ہم بدی کے عوض بدی نہیں کریں گے بلکہ نیکی کے خواہاں ہوں گے اور اپنے دشمنوں سے محبت اور اپنے ستانے والوں کے لئے دعا کریں گے۔

قلندر آباد ایبٹ آباد چرچ میں ایک مشنری بل پیچ Bill Peach نے پیغام دیا اور کلیسیا سے کہا کہ انگریزی میں ایک حرف ہے جو اوپر سے نیچے عمودی صورت میں ہے اور بلیک بورڈ پر لکھا بھی تھا۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ کون سا حرف ہے تو سب نے کہا کہ "I آئی" ہے۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ اس کے معنی کیا ہیں تو سب نے ایک آواز ہو کر کہا کہ "میں"۔ اندازہ کریں کہ اگر پوری جماعت کے منہ سے ایک ہی وقت میں یہ آواز "میں" نکلے تو پھر وہ بھیڑ خانہ لگے گا کہ نہیں؟ خیر انہوں نے کہا کہ آپ بالکل ٹھیک ہیں کیونکہ آج کلیسیا میں اس کے علاوہ اور دھرا ہی کیا ہے۔ ہر کوئی کہتا ہے کہ "میں"۔ اور انہوں نے اس "آئی I" کو کراس کرتے ہوئے کہا کہ جب تک ہماری میں ختم نہ ہو جائے اُس وقت تک ہم کچھ نہیں ہیں۔ بلکہ ہماری میں ہم میں زندہ ہے اور پرانی انسانیت و نفسانی خواہشات زندہ ہیں انہیں مرنا ضرور ہے۔ کراس کرنے پر یہ صلیب کا نشان بن گیا تھا۔

پولس رسول گلتیوں 2:20 میں کیا کہتا ہے؟ کہ میں مسیح کے ساتھ مصلوب ہوا اور اب



میں زندہ نہ رہا بلکہ مسیح مجھ میں زندہ ہے اور اب میں جو جسم میں زندگی گزارتا ہوں وہ خدا کے بیٹے پر ایمان لانے کے سبب سے گزارتا ہوں"۔ اور گلتیوں 6:14 میں رسول فرماتا ہے کہ "لیکن خدا نہ کرے کہ میں کسی چیز پر فخر کروں سوا اپنے خداوند یسوع مسیح کی صلیب کے جس پر دنیا میرے اعتبار سے مصلوب ہوئی اور میں دنیا کے اعتبار سے"۔

جب خودی مصلوب ہو جائے تو پھر ہم انجیل پیش کرنے سے شرمائیں گے نہیں۔ مسیح نے بھی شرمندگی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے صلیبی دُکھ سہا۔ اور اپنے ستانے والوں کے لئے دعا کی کہ اے باپ انہیں معاف کر کیونکہ یہ نہیں جانتے کہ کیا کرتے ہیں"۔

میرے ایک نہایت ہی بزرگ رفیق راولپنڈی میں ہیں اُن کا نام ٹائٹس ہے۔ اُن کے ساتھ مل کر بشارتی کام کرنے کا مجھے بھی اتفاق ہوا۔ اُن کے بیگ پر آیات ہیں، اُن کی شرٹ پر بھی اور جو کیپ وہ پہنتے ہیں اُس پر بھی سٹکر اور بہت سی اور چیزیں لگی ہیں اور ہاتھوں میں تورات اور انجیلِ مقدس کے نسخے ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب میں بازاروں میں جا کر کھڑا ہوتا ہوں تو لوگ مجھے شاید دیوانہ سمجھ کر مجھ سے آ کر سوال کرتے ہیں تو یوں میں اُن کو پھر خوشخبری سناتا ہوں۔ اُن کے سامنے کے دونوں دانت ٹوٹے ہوئے ہیں اور وہ مذاق سے کہتے ہیں کہ یہ داڑھی والوں کی مہربانی ہے۔ اور حقیقت بھی اسی طرح ہے۔ ٹائٹس صاحب تعلیم یافتہ شخصیت ہیں وہ جو وہ انجیل کی خاطر دوسروں کو شاید بیوقوف لگتے ہیں۔ بہر حال میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ سب ٹائٹس بن جائیں اور اُن کی طرح کریں۔ ٹائٹس بنیں یا نہ بنیں کھوئی ہوئی روحوں کے لئے بوجھ اور آنکھوں میں آنسو رکھنے والے ضرور بنیں۔

1987ء میں مجھے خداوند نے کراچی میں بلایا اور اُس وقت میں بھی گلے میں ایک بڑا پلے کارڈ لٹکائے اور ہاتھوں میں کتاب مقدس اور تورات شریف لے کر صدر بازار کراچی میں کھڑے ہو کر آواز لگاتا تھا کہ لوگ خدا کا کلام خریدیں اور پڑھیں اور خداوند کا شکر کرتا ہوں کہ میں لوگوں کے لئے شاید تماشا تو بنا لیکن خداوند کا جلال ہر روز ظاہر ہوتا تھا جیسا کہ آج بھی ظاہر ہوتا ہے یہ الگ بات ہے کہ آج میرے طریقہ کار میں ذرا فرق ہے۔

اگر آپ مبشر ہیں تو یاد رہے کہ "پھول مسل دیا جاتا ہے مگر بعد میں جب اُس پھول کو مسلنے والی انگلیوں کو سونگھا جائے تو مسلا جانے والا پھول خود ختم ہو گیا ہوتا ہے مگر مسلنے والے ہاتھوں کو معطر کر دیتا ہے"۔ دُکھ سہہ لیں لیکن مسیح کے لئے اُف نہ کریں۔ مگر افسوس کہ ہم خون دینے والے نہیں بلکہ چوری کھانے والے ہیں۔

مقدس ستفنس جو کلیسیا میں پہلا شہید ہے اور کلامِ مقدس میں اس کا ریکارڈ ملتا ہے کہ لوگ سنگسار کرتے رہے اور وہ اُن کے لئے دعا کرتا رہا کہ اُن کا گناہ اُن کے ذمہ نہ لگے اور یوں مسیح کے نقشِ پا پر چلتے ہوئے ساؤل نامی شخص کی زندگی میں ایسے نقوش چھوڑے کہ ساؤل ہی بعد میں بدل کر پولس بن گیا اور مسیحیوں کو ستانے والا مسیح کی خاطر ستایا جانے لگا اور ابتدائی کلیسیا میں ایک عظیم روحانی سورما ٹھہرا۔ ہم نہ جانتے ہوئے بھی کسی شخص کی زندگی میں اپنی عملی زندگی کے وسیلہ سے اثر چھوڑ سکتے ہیں۔ میں خود اسی مثبت اور عملی گواہی کا نتیجہ ہوں۔

## (۹) ایک اچھا مبشر شیریں دہن اور خوش مزاج شخصیت ہوتی ہے

عرصہ دراز پہلے میں نے ایک محاورہ پڑھا کہ "اپنی زبان کاٹ قبل اس کے کہ وہ کسی کو کاٹے"۔ کسی مقدس نے کہا کہ مسیحی اپنے بدن کے تمام اعضا کی نسبت زبان سے سب سے زیادہ گناہ کرتا ہے۔ اُس نے کہا کہ شیطان ہمارے بدن کے اعضا میں سب سے زیادہ ہماری زبان کو استعمال کرتا ہے۔ عہد جدید میں یعقوب بھی کیا خوب کہتا ہے کہ حیرت ہے کہ انسان نے ستاروں پر کمندیں ڈال دیں، سمندروں پر راج کرنے لگا ہے جنگل کے سردار تابع کر لئے ہیں لیکن افسوس کہ وہ اپنی زبان کو قابو میں نہ کر سکا۔ میں نے یعقوب کے الفاظ کا مفہوم پیش کیا ہے، لفظ بہ لفظ نہیں لکھا ہے۔

یعقوب آگے بڑھتے ہوئے گویا یوں کہتا ہے کہ زبان جو ہمارے منہ میں گوشت کا چھوٹا سا ٹکڑا ہے یہ "زہرِ قاتل سے بھرا ہے"۔ اُس کے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ قتل صرف اسلحہ جات سے ہی نہیں ہوتے بلکہ زبان سے بھی ہوتے ہیں اور آپ خود ہی اندازہ لگا لیں کہ اسی زبان ہی کی وجہ سے کتنے لوگوں کے دروازے ہمارے لئے بند ہو گئے ہیں اور کتنوں کے لئے ہمارے دروازے



بند ہو گئے ہیں۔ میں دل کے دروازوں کی بات کر رہا ہوں کیونکہ اگر گھر کے دروازے کھلے بھی ہوں تو کوئی فائدہ نہیں ہے۔ جب تک کہ دل کے دروازے نہ کھلے ہوں۔

کسی نے کہا کہ کسی "انسان کی کم علمی کا اندازہ اُس کے کثرتِ کلام سے لگایا جا سکتا ہے"۔ ایک اور مقدس ہستی نے کہا کہ "انسان کی حکمت اُس کی زبان کے نیچے پوشیدہ ہوتی ہے"۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ایک مبشر زبان سے قتل کرنے والا نہ ہو بلکہ نرم مزاج ہو (کلسیوں 6:4)۔

## (۱۰) مبشر کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے بائبل مقدس سے اور پھر دیگر ادیان سے کسی حد تک واقفیت رکھتا ہو:

بائبل مقدس میں آیا ہے کہ کوئی اگر ہم سے امید کی وجہ پوچھے تو ہمیں مناسب جواب دینا آتا ہو۔ ویسے بھی ضروری ہے کہ ایک مسیحی دوسروں کی طرف سے جلتے ہوئے تیروں کا جواب دینے والا ہو۔ دوسروں کے سوالات کے مناسب جوابات دینے والا ہو اور بنی نوع انسان کے لئے جو نجات کا منصوبہ ہے اُسے بیان کر سکنے والا ہو۔

میں تو یہاں تک کہوں گا کہ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے بھی کل کی کلیسیا میں عظیم خادم ہوں تو پھر ہمارے بچے بچے کو اسلام سے کسی حد تک واقفیت ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ جب تک ہم دوسروں کے عقائد سے واقف نہ ہوں ہم مناسب طور پر کسی کی مدد نہیں کر سکتے اور نہ ہی وہ ہماری بات کو سمجھ پائے گا۔

اسی طرح اچھا ہے کہ مبشر کے پاس کتب کا ایک ضخیم ذخیرہ ہو کیونکہ علم ایک ایسا درخت ہے جس پر کبھی بھی خزاں نہیں آتی۔ علم وہ پھول ہے جو جتنا زیادہ کھِلتا ہے اُتنی ہی زیادہ خوشبو دیتا ہے۔ علم وہ خزانہ ہے جس پر کبھی بھی چور نقب نہیں لگا سکتا۔ میں یہ بھی کہوں گا کہ عالم ہونا اچھا ہے مگر بے عمل ہونا بُرا ہے۔ علم تو شیطان کے پاس بھی بہت ہے اگر یسوع کامل انسان نہ ہوتا تو شیطان اُسے بھی پیچھے کر دیتا۔ عالم تو ہوں مگر ساتھ ہی ساتھ طالب علم کی روح کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ زبور نویس کہتا ہے کہ:

مبارک او سے دا حال جانو یہوّاہ اُتے بھروسہ جس دا
گھمنڈیاں کول اوہ نہیں جاندا نہ جھوٹیاں نال رکھدا یاری

اور اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ وہ فردتنوں کو توفیق بخشا اور مغروروں کا مقابلہ کرتا ہے۔ یہ بھی بات ہرگز ہم نہ بھولیں کہ مبشر کا پڑھا لکھا اور صاحبِ علم ہونا اچھا ہے مگر بشارت کے کام کے کرنے کے لئے یہ ضروری بھی نہیں ہے۔ ورنہ اَن پڑھ شخص کہاں جائے گا۔ یہ بات بھی قابلِ قبول ہے کہ ممکن ہے کہ کسی پڑھے لکھے مبشر سے اَن پڑھ مبشر کی خدمت زیادہ موثر ہو اور اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے کیونکہ میں نے کئی ایسے اشخاص سے ملنے کا اعزاز حاصل کیا جو تعلیم یافتہ تو نہیں ہیں مگر منادی میں بڑے سرگرم ہیں۔ اگر پڑھا لکھا ہونا ضروری شرط ہو تو پھر اَن پڑھ سمجھیں گے کہ اچھا ہے ہماری جان چھوٹی۔ لیکن ایسا نہیں ہے کیونکہ ہر مسیحی جو نئی پیدائش کا تجربہ رکھتا ہے خواہ وہ پڑھا لکھا ہے یا اَن پڑھ وہ بشارت کا کام کرنے کا ذمہ دار ہے۔ کیونکہ جس کو جتنا دیا گیا اُس سے اُتنا ہی طلب کیا جائے گا۔ چنانچہ خدا نے دُنیا کے حقیر، کمزور اور بیوقوفوں کو چُن لیا ہے اور میں اُن میں سے ہی ایک ہوں۔

ایک بات جو میرے تجربے میں آئی ہے وہ یہ کہ اگر کسی شخص کے جوڑوں میں درد ہو اور کئی ڈاکٹرز سے مشورہ کرنے کے باوجود اگر کوئی فرق نہ پڑ رہا ہو اور اچانک اُسے کوئی ایسا شخص ملے جو اُس کو یہ کہے کہ مجھے بھی یہی تکلیف تھی اور میں نے فلاں سے دوا لی اور اَب میں بالکل ٹھیک ہوں لہٰذا آپ بھی اُس حکیم کے پاس جائیں۔ وہ آپ کو بس ایک پُڑیا دے گا اور بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔ اور جب ہم جاتے ہیں اور اس حکیم کی دوا سے ہم ٹھیک ہو جاتے ہیں تو پھر ہم کسی دوسرے بیمار کو اس حکیم کے متعلق بتاتے ہیں۔

کیا یہ بات حیرانگی کا سبب نہیں ہے کہ ہم لوگوں کو حکیموں کی دکانیں تو دکھاتے ہیں کہ جوڑوں کی درد ٹھیک ہو جائے مگر زندگی دینے والے سے متعلق نہیں بتاتے۔ لہٰذا میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ پُڑیوں کی اشتہار بازی چھوڑ کر لوگوں کو یسوع سے متعارف کروائیں کیونکہ صحت اور زندگی وہی دیتا ہے اور یہ جسمانی طور پر ہی نہیں بلکہ روحانی طور پر بھی سچ اور حقیقت ہے۔



## (۱۱) مبشّر کی بہت سی خوبیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ تکراری نہ ہو اور جوابات دینے میں دیانت دار ہو۔

ہمارے ملک میں بحث برائے بحث کرنے والوں کی کمی نہیں ہے جبکہ سیکھنے کی روح رکھنے والے لوگ ہر زمانہ میں اقلیت میں ہی رہے ہیں۔ جب میں بائبل اسکول میں تھا تو ہمارے پروفیسر نے کہا کہ بحث کی تین اقسام ہیں۔

(۱) **بحث برائے بحث:** اس سے عموماً لڑائی جھگڑوں کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا۔

(۲) **بحث برائے تنقید:** یہ بھی اچھا نہیں ہے کیونکہ یہ دوسروں کی کمزوریوں کو ہوا دینا ہے اور اس سے بھی دوریاں پیدا ہوتی ہیں۔

(۳) **بحث برائے تحقیق:** اس سے دونوں سیکھتے ہیں اور دونوں میں سیکھنے والی روح پائی جاتی ہے۔ اعمال کی کتاب میں لکھا ہے کہ بیریہ کے لوگ تھسلنیکے کے لوگوں سے زیادہ نیک ذات تھے اور وہ روز بروز کلامِ مقدس میں تحقیق کرتے رہتے تھے۔

لیکن تکرار کچھ اس طرح کی ہوتی ہی کہ لفظوں میں حجت کی جائے اور کوئی ایک بھی ہار نہ مانے اور بال کی کھال اُتاری جائے اور دونوں میں سے کسی میں بھی سیکھنے کی روح نہ ہو۔ علماء کے تجربات پر مبنی کتب شاہد ہیں کہ انہوں نے کئی کئی سال کسی ایک ہی موضوع پر بحث کی مناظرے کیئے اور اپنی خدمت کے آخر پر کہا کہ ہم تو جیتے مگر روح کو گنوا دیا۔ کیوں کہ بحث سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ بحث اُس وقت ہوتی ہے جب آدمی جیتنا چاہے اور اصل میں سوال کا جواب جب نہ آتا ہو۔ لیکن اس صورت میں بہتر ہے کہ صاف طور پر یہ کہہ دیا جائے کہ میں اس سوال کا جواب ابھی نہیں جانتا اور بعد میں تحقیق کر کے جواب دے پاؤں گا۔ یہ جواب سب سے اچھا ہے ورنہ غلط جواب دے کر ہم ایسا بیج بو دیں گے کہ وہ اسی طرح اُگے گا اور وہ شخص اس غلط بات کو پتہ نہیں کتنے لوگوں تک پہنچائے گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم دیانتداری سے جواب دیں

(امثال 2,1:15)۔

ضروری نہیں ہے کہ ہمارے پاس ہر سوال کا جواب ہو۔ مجھے کوئی بھی ایسا عالم آج تک نہیں ملا جو یہ کہتا ہو کہ مجھے سب کچھ آتا ہے۔ نہیں ہم سب طالب علم ہیں اور ہم سب سیکھتے ہیں۔

ایک آخری بات جو اسی بڑے موضوع پر میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ:

**(۱۲) ایک مبشّر کھوئے ہوئے لوگوں کے لئے بوجھ رکھتا ہو۔**

اس تعلق سے میں نے مسیح کے بوجھ سے متعلق بہت کچھ پہلے ہی بطورِ نمونہ کہہ دیا ہے۔ (متی 9:35-38)۔ ایک پنجابی گیت کے الفاظ کچھ یوں ہیں۔

یسوع زندگی دا والی پتر رب دا
پھرے گلی گلی پاپیاں نوں لبھدا

اسی طرح ایک گنہگار شخص سے تو ہماری محبت ہونی چاہئے مگر اُس کے کاموں سے نفرت ہونی چاہئے۔ لہٰذا ہم ایسے لوگوں کے پاس جائیں جنہیں خوشخبری سننے کی ضرورت ہے۔ ہم ہنر میں کنڈی ڈال کر نہ بیٹھیں یہاں مچھلی نہیں آئے گی۔ مچھلی پکڑنے کے لئے ہمیں وہاں جانے کی ضرورت ہے جہاں مچھلی ہے۔ خدا کرے کہ ہمیں یرمیاہ نبی کی طرح بوجھ ہے۔ براہِ کرم آپ یرمیاہ 1:9 اور 9:20 ضرور پڑھیں۔



# بشارت کے ذرائع اور طریقے

(۱) بشارت کا خواہ کوئی ہی طریقہ کیوں نہ ہو وہ اُس وقت تک موثر نہیں ہے جب تک کہ وہ روح القدس کی تحریک سے نہ ہو۔

(۲) بشارت کا خواہ کوئی ہی طریقہ کیوں نہ ہو وہ اُس وقت تک موثر نہیں جب تک کہ وہ اُن لوگوں کی ضرورت کے مطابق نہ ہو جن تک ہم رسائی کرنا چاہتے ہیں۔

(۳) بشارت کا خواہ کوئی ہی طریقہ کیوں نہ ہو وہ اُس وقت تک کار آمد اور موثر نہیں جب تک کہ اُس پر کوئی کام کرنے والا نہ ہو۔ لہٰذا کام تو ضرور کیا جائے مگر حکمت اور دانائی کے ساتھ خدا کے روح کی مدد سے تاکہ ہم لوگوں کی ضرورت کے مطابق کام کرنے والے ہوں اور یہ محض کاغذی کاروائی نہ ہو بلکہ عملی طور پر ہو۔ ہمارے ہاں کاغذی کاروائی بہت ہوتی ہے لیکن عملی طور پر کام کرنے والوں کا اور صحیح طور پر کام کئے جانے کا بحران ہے۔

اصل حقیقت تو کچھ یوں ہے کہ انسان طریقے ڈھونڈتا ہے کہ وہ کس طرح سے کام کرے جبکہ رَب ایسے بندے ڈھونڈتا ہے جو صدقِ دل سے کام کرنے والے ہوں۔ ہم طریقوں کے ڈھونڈنے میں اپنا وقت اس قدر صَرف کر دیتے ہیں کہ فیلڈ میں نہیں جاتے اور کام اُسی طرح سے ادھورے کا ادھورا ہی رہ جاتا ہے۔ خدا چاہتا ہے کہ ہم وفاداری سے کام کرنے والے ہوں اور پھر خدا کا جلال اس خدمت میں ظاہر ہوتا ہوا دیکھ سکیں۔

ذیل میں چند ایک بشارت کے ذرائع کا ذکر کرنا اور اُن ذرائع کا استعمال کس طور پر کیا جائے اس پر کچھ روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ آپ بغور ان طریقوں کا مطالعہ کریں اور اگر خدا فضل بخشے تو ان کا فیلڈ میں استعمال بھی کریں کیونکہ یہ ضروری ہے۔ علم سٹور کرنا بُرا ہے مگر علم کا استعمال کرنا بہت زیادہ برکت کا سبب ہے۔ علم جتنا زیادہ استعمال کریں گے اُتنا ہی زیادہ بڑھے گا۔

بشارت کے ذرائع میں درج ذیل چند باتیں شامل ہیں۔

۱۔ شخصی بشارت

۲۔ اجتماع میں بشارت

۳۔ بشارت بذریعہ لٹریچر وکارسپانڈنس انسٹیٹیوٹس

۴۔ بشارت بذریعہ ریڈیو

۵۔ بشارت بذریعہ ٹیلی وژن

۶۔ بشارت بذریعہ انٹرنیٹ

۷۔ بشارت بذریعہ فلم منسٹری

۸۔ بشارت بذریعہ اُخبارات

۹۔ مسیحی طرزِ زندگی کے ذریعہ بشارت

۱۰۔ بشارت بذریعہ مالی معاونت

۱۱۔ بشارت بذریعہ فلاحی اُمور

آیئے اَب ذرا تفصیلاً ان مضامین پر غور کریں۔

## ۱۔ شخصی بشارت:

میں اس مضمون کے تحت یہ بتانا چاہتا ہوں کہ نہ صرف میں اس سے متعلق کہوں گا کہ بشارت کیا ہے بلکہ میں بشارتی کام کرنے کے طریقوں پر بھی مختصراً روشنی ڈالوں گا۔ میں یہاں پر پھر سے یہ کہوں گا کہ آپ کا پورا پورا حق بنتا ہے کہ میرے ساتھ متفق ہوں یا نہ ہوں۔ میرا کام بتانا ہے کرنا یا نہ کرنا ہر شخص کا شخصی فعل ہے۔

شخصی بشارت سے مراد کسی ایک شخص کے ساتھ یا چند اشخاص میں بیٹھ کر گواہی دینا خوشخبری سنانا ہے۔ اس کے لئے وقت لینا نہیں پڑتا بلکہ وقت نکالنا اور موقع ڈھونڈنا پڑتا ہے جہاں پر ہم خوشخبری سنا سکیں۔

آغازِ گفتگو تسلیمات سے کیا جا سکتا ہے اور خواہ کسی ہی موضوع پر بات کیوں نہ ہو رہی



ہو اُس کا رُخ خوشخبری کی طرف موڑا جا سکتا ہے۔ دو سوال عموماً پوچھے جا سکتے ہیں اور ان دونوں سوالات کے جوابات ذاتی طور پر جاننا اور بیان کرنا بھی آتا ہو۔ یاد رہے یہ دونوں سوالات ایسے ہیں جو شاید یہ شخص تو در کنار کبھی آپ سے بھی نہ پوچھے گئے ہوں اور یہی اہم ترین سوالات ہیں۔ ان دونوں سوالات کے پوچھتے وقت چہرے پہ مسکراہٹ اور اظہارِ ہمدردی کے تاثرات نہایت ہی ضروری ہیں۔ ہمارے چہرے کے تاثرات بھی کسی کو تیار کر سکتے ہیں کہ وہ ہماری سُنے۔ اگر آپ کی فطرت ایسی ہے کہ چہرے پر مسکراہٹ پیدا نہیں کر سکتے تو پھر بہتر ہوگا کہ یہی سوالات کسی اور پیرائے میں پوچھیں تا کہ آپ کے ساتھی پر کوئی منفی اثر نہ پڑے۔

وہ دو سوالات ذیل میں ہیں۔

۱۔ ۱۔ ہم میں سے کسی کی بھی زندگی کی یہ آج آخری شام ہو سکتی ہے۔ خدانخواستہ اگر آپ آج اس دنیا سے چلے جائیں تو مرنے کے بعد آپ کہاں جائیں گے؟ میرا مطلب یہ ہے کہ خدا نے ہر شخص کے لئے دو مقام تیار کئے ہوئے ہیں۔ ایک جنت (فردوس) اور دوسرا مقام دوزخ (گندھک اور آگ سے جلنے والی جھیل) ہے۔ تو میرا مطلب یہ ہے کہ آپ اِن دونوں میں سے کہاں جائیں گے؟ ویسے میری دعا ہے کہ خداوندِ کریم آپ کو عمرِ دراز عطا فرمائے۔

۲۔ آپ جس مذہب کے پیروکار ہیں اُس کی پیروی کرنے کی کیا وجہ ہے؟

آپ جو یہ سوالات پوچھتے ہیں اگر آپ نئی پیدائش پائے ہوئے ہیں تو پھر یہ جوابات آپ کے پاس ہونے چاہئیں اور اگر نہیں نئی پیدائش پائے تو پھر ان سوالات کے جوابات آج ہی تلاش کریں اور آج ہی نئی پیدائش پائیں بلکہ آج ہی جتنی جلدی ہو سکتا ہے ایسا کریں کیونکہ عین ممکن ہے آج ہی آپ کا بلاوا ہو جائے۔

شخصی بشارت میں اگر وقت بہت تھوڑا ہے تو پھر کوئی نہ کوئی پمفلٹ ضرور دیں۔ اور اگر وقت ہے تو آدابِ محفل کا خیال رکھتے ہوئے بات کریں۔

## ۱۱۔ اصطلاحات کا استعمال:

دورانِ گفتگو آپ ایسی زبان واصطلاحات استعمال کریں جو دوسرے شخص کی سمجھ میں آنے والی ہوں۔ مثلاً جب آپ "ہیلیلویاہ" کہتے ہیں تو وہ نہیں سمجھتا۔ ویسے تو ابتدائی رفاقتوں میں "ہیلیلویاہ" کہنے کی کوئی تک ہی نہیں بنتی تاہم اگر ابتدا میں کہنا ہی ہے تو "الحمدللہ" کہا جا سکتا ہے۔ ہیلیلویاہ، پریز دی لارڈ اور الحمدللہ کے معنیٰ ایک ہی ہیں۔ غیر مسیحی نہیں سمجھتے کہ جب ہم "برّے کی حمد ہو" کہتے ہیں تو ہمارا کیا مطلب ہے وہ یہی سمجھیں گے کہ یہ تو جانوروں کی پوجا کرنے والے لوگ ہیں۔

ہم مسیحی جب کسی سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں "سلام جی" جبکہ یہ الفاظ پورے معنیٰ نہیں دیتے۔ ان کے معنیٰ "سلامتی" کے ہیں۔ تو پھر اس کا کیا مطلب ہے کہ سلامتی آجائے یا اُٹھ جائے؟ اصل میں جب ہم "السلام علیکم" کہتے ہیں تو یہ پورے معنیٰ دیتا ہے کہ "تم پر سلامتی ہو"۔ میں ذاتی طور پر "سلام جی" کا نہیں بلکہ "السلام علیکم" کا قائل ہوں۔ لیکن یہ اصطلاح مسیحی لوگوں میں استعمال کرنے سے احتیاط برتیں۔ آپ تعلیم یافتہ یا سمجھدار مسیحیوں میں تو یہ اصطلاح استعمال کریں تو کوئی بات نہیں لیکن جب آپ سادہ لوح مسیحیوں میں "السلام علیکم" کہتے ہیں تو وہ آپ سے کہیں گے کہ کب سے مسلمان ہو گئے ہیں کیونکہ وہ لکیر کے فقیر ہیں۔

ہم "بائبل" کا لفظ اکثر استعمال کرتے ہیں جبکہ ہمارے گردونواح میں رہنے والی اکثریت اس نام سے زیادہ واقف نہیں ہے۔ وہ "توریت شریف"، "زبور شریف"، "صحائف الانبیاء" اور "انجیل شریف" سے واقف ہیں۔ لہٰذا خوشخبری کے بیان کرنے کے لئے مناسب یہی ہوگا کہ ابتدا میں وہی الفاظ وکلمات استعمال کریں جن سے غیر مسیحی واقف ہوں۔

لفظ "اللہ" سے متعلق بہت سے مسیحی بحث کرتے ہیں اس لفظ کا استعمال درست ہے کہ نہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ بہتر ہے کہ دوسروں کو سمجھانے کے لئے جیسے میں بار بار کہہ چکا ہوں ابتدا میں یہ لفظ استعمال کر لیا جائے۔ یہ مضمون خود اپنے آپ میں اس قدر وسیع ہے کہ ایک بڑی کتاب لکھی جا سکتی ہے۔



اگرچہ "حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور یسوع مسیح" دو الگ شخصیات نظر آتی ہیں جن میں بہت سی ایسی باتیں ہیں کہ اُن کا ایک دوسرے سے سرے سے ہی تعلق نہیں ہے۔ میں متفق ہوں کہ یسوع مسیح پر سلامتی بھیجنے کی دعا کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ خود سلامتی ہے۔ تو بھی میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات ایک ہی شخصیت سے متعلق ہو رہی ہے جس وجہ سے جیسا میں نے پہلے کہا یہ اصطلاح ابتدا میں استعمال کر لینا چاہئے۔ میں شخصی طور پر "حضور المسیح، سیّدنا حضور المسیح اور مسیحِ ابنِ مریم جیسے کلمات استعمال کیا کرتا ہوں۔

جب ہم "گیت" گانے کو کہتے ہیں تو یہ ایک ایسی اصطلاح ہے کہ مسیحی حضرات تو سمجھتے ہیں کہ اس سے مراد روحانی گیت وغزلیں ومزامیر ہیں مگر جو غیر مسیحی ہیں وہ جب گیت کا لفظ سنیں گے تو فوراً سوچیں گے کہ یہ گیت کوئی فلمی یا ملی تو نہیں۔ کیونکہ اُن کی عبادات میں گیت گانے کا کوئی تصور نہیں ہے۔ میرے مسلمان دوست اپنی مساجد میں گیت نہیں بلکہ "نعت" پڑھتے ہیں اور "حمد" کرتے ہیں۔ لہٰذا اگر کہیں کہ ہم خداوندِ قدوس کی حمد کریں گے تو یہ زیادہ بہتر ہوگا اور بات بھی دوسرے کی سمجھ میں آجائے گی۔ علاوہ ازیں ابتدا میں اگر گیت نہ گائیں صرف مزامیر گائیں تو یہ زیادہ بہتر مشورہ ہے۔

"پیغام دینا" ایک ایسی اصطلاح ہے جو ہم وعظ کے لئے یا خدا کے کلام کے بیان کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اس کے لئے غیر مسیحی شخص یہ سمجھے گا کہ پتہ نہیں کس کا پیغام کس کو دے رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کی جگہ "وعظ"، "خطبہ" یا "بیان" کے الفاظ ہوں تو زیادہ قابلِ فہم ہوں گے۔

## ۱۱۱۔ ادب وآداب:

اگر آپ کی رفاقت میں ایک یا ایک سے زیادہ دوست ہوں تو مناسب ہوگا کہ نیم دائرے کی صورت میں نیچے دری پر یا بہتر وآرام دہ جگہ ہو تو وہاں بیٹھیں۔ اور آدابِ محفل کا ضرور خیال رکھیں۔ پہلے سنیں اور پھر سنائیں مگر بات مختصر اور وزن دار ہو اور حوالہ جات کے ساتھ ہو۔

آپ کے چہرے پر مسکراہٹ ہو اور محبت سے حلیمی اور فروتنی سے جواب دیں۔ آپ کا روّیہ بھی کسی شخص کی تبدیلی کا سبب ہوسکتا ہے بالکل ایسے ہی جیسے سِتفنُس کا رویہ ساؤل کو پولُس بناڈالتا ہے۔

جیسا میں نے پہلے بھی عرض کی کہ حوالہ لینا اور دینا بہت زیادہ مفید ہو گا اور اس سے آپ کسی کی بہتر طور پر مدد کر پائیں گے اور اُس شخص کو بھی دیکھنا ہے کہ میں کوئی بھی ایسی بات نہ کروں جس کے سر پاؤں ہی نہیں ہیں۔

## ۱۷۔ اندازِ دُعا:

ہم مسیحی حضرات وخواتین کوئی نہ کوئی اندازِ دعا اپنائے ہوئے ہیں اور اُس سے باہر نکلنا مشکل نظر آتا ہے اور ہر کوئی یہی سمجھتا ہے کہ میرا انداز ٹھیک ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کلامِ مقدس بھی کسی ایک طریقے کا نمونہ پیش نہیں کرتا۔ لہٰذا ہمارا جو بھی انداز یا طریقہ ہو اُس کے اپنانے کے لئے کسی غیر مسیحی کو مجبور نہ کیا جائے کہ ضرور آنکھیں بند کرے اور ہاتھ جوڑے تو پھر ہی دعا سنی جائے گی۔ اس کے لئے ہم اُس پر ظاہر کریں کہ دعا کا تعلق انداز یا طریقے سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہمارے دل سے ہے اور اگر اس کی ادائیگی ہمارے دل سے نہیں ہوتی تو پھر ہاتھ اوپر ہوں یا نیچے، آنکھیں بند ہوں یا کُھلی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ خدا دل پر نگاہ کرتا ہے۔ لہٰذا کسی بھی غیر مسیحی کے ساتھ دعا کرنے سے پہلے اپنا طریقہ بتا دیں اور یہ بھی کہ دعا کیا ہے اور پھر اُس کے بعد اُس کو اپنا طریقہ اپنانے دیں تاکہ وہ دعا کی حقیقت اور روح کو جان جائے۔

## ۷۔ خبردار:

کلامِ مقدس کی تعظیم کریں۔ میں متفق ہوں کہ اگر دل سے اس کی تعظیم نہیں تو پھر کتاب کی تعظیم کوئی معنیٰ نہیں رکھتی تو بھی چونکہ میں ایمانداروں سے بات کر رہا ہوں اور اُن کے دل میں اس کی تعظیم پہلے ہی ہوتی ہے لہٰذا کتابِ مقدس کو صوفے، کرسی، گاڑی کی سیٹ، دری اور کرسی کے نیچے فرش پر قطعاً نہ رکھیں۔ یہ ہمارے معاشرے کے خلاف بھی ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ ہمارے مسلمان بھائی، بہنیں کتنی زیادہ قرآنِ حکیم کی تعظیم کرتے ہیں؟ اور شاید میں یہ کہنے میں حق



بجانب ہوں کہ سمجھدار مسلمان بہن اور بھائی بائبل مقدس کا احترام ہم سے زیادہ کرتے ہیں ہمیں اُن سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔

میں تو اگر مسلمان دوستوں میں بیٹھا ہوں جو ٹوپی پہنتے ہیں تو خود بھی ٹوپی پہن لیتا ہوں۔ اس سے میرے ایمان پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پولُس رسول یہودیوں کے لئے یہودی اور یونانیوں کے لئے یونانی بنا تاکہ اُنہیں مسیح تک کھینچ لائے۔ ہم اپنے ایمان اور عقائد میں تو سمجھوتہ نہ کریں لیکن انداز کوئی بھی اپنایا جاسکتا ہے تاکہ خوشخبری کا کلام دوسروں تک واضح طور پر پہنچایا جاسکے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ دوسروں کو مسیح تک لانے کے لئے راہ میں حائل ہر رکاوٹ و دیوار کو ختم و مسمار کریں تاکہ خدا کی بادشاہی جلد آسکے۔ دعا کریں کہ پہلے "میری بادشاہی جائے" تاکہ خدا کی بادشاہی آسکے۔

میں پھر سے یاددہانی کے طور پر یہ کہوں گا کہ شخصی بشارت میں اپنے ساتھی کے جذبات کو مسلسل پرکھتے رہیں اور اس سے قبل کہ اُس کے غصے کا بم پھٹے پہلے ہی چھوڑ دیں اور ضرورت ہو تو آئندہ کے لئے وقت مقرر کریں۔ دورانِ گفتگو سیاسی باتوں کو موقع نہ دیں۔ کسی ایک مضمون پر بات کریں، وعظ نہ کریں، دوسرے کو بات کرنے کا موقع دیں اور مقررہ وقت سے آگے نہ بڑھیں۔ اپنی کوشش سے کبھی کسی کو کنورٹ کرنے کی کوشش نہ کریں۔ یہ کام پاک روح کا ہے اور اُسے پورا پورا موقع دیں کہ اپنا کام کرے۔ میرا اور آپ کا کام لعؔزر کی قبر سے پتھر ہٹانا ہے، زندہ کرنا ہمارا کام نہیں ہے۔ جس کا کام ہے اُسے اپنا کام کرنے دیں۔ اور عبادات میں مغربیت کو نہیں بلکہ مشرقیت کو موقع دیں۔ مجھے پھر سے یہ کہنے دیجئے کہ برداشت کی روح کا ہونا ضروری ہے۔ اندھوں پر ترس کھایا جاتا ہے اُنہیں مارا نہیں جاتا۔

## ۲۔ اجتماع میں بشارت:

اجتماع میں بشارت مؤثر بھی ہے اور غیر مؤثر بھی ہے۔ہم دونوں پہلوؤں سے اس پر غور کر سکتے ہیں۔اجتماع میں بشارت دینے کا ہمارا بہترین نمونہ یسوع ہے۔اُس نے کوہِ زیتون پر سے متی 5-7، ابواب میں وعظ کیا۔عید پینتکستِ کو پطرس نے واعظ کیا اور اس اجتماع میں بشارت کے وسیلہ سے تین ہزار کے قریب لوگ مسیح کے پاس آ گئے۔(اعمال 2، باب; اعمال 2 :47)۔ پولس نے اریوپگس کی پہاڑی پر سے وعظ کیا (اعمال 17:22-31)۔یہ طریقہ اسلئے موثر ہے کیونکہ ایک ہی وقت میں بے شمار لوگوں میں بشارت دی جا سکتی ہے۔قبول کرنا نہ کرنا یہ لوگوں کی ذاتی بات ہے لیکن لوگوں کے خون سے بَری ہوا جاسَکتا ہے۔ایسے اجتماعات میں صرف مسیحی ہی نہیں ہوتے بلکہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی ہوتے ہیں اور یوں اُن تک بھی خوشخبری پہنچ جاتی ہے۔

اگر آپ کراچی میں رہتے ہیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ 2001ء میں وائی۔ایم۔سی۔اے گراؤنڈ میں ''پیٹر ینگرن'' کا پروگرام ہوا تھا اور انتظامیہ کے مطابق وہاں پر آخری دن ایک لاکھ سے زائد لوگ تھے اور اُن میں ایک چوتھائی غیر مسیحی لوگ تھے۔

چونکہ شام کے پروگراموں میں مجھے ترجمہ کرنے کا اعزاز حاصل ہوا جس سبب سے مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ پیٹر ینگرن نے بڑے واضح طور پر خوشخبری سنائی۔

میں جانتا ہوں کہ ایسے پروگرام کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔اس کے لئے کافی منصوبہ بندی کی اور کافی عرصہ پہلے سے تیاری کی ضرورت ہے۔اس میں اخراجات بھی بہت زیادہ ہوتے ہیں۔اچھی کوائر ہو اور اچھی اور مناسب جگہ ہو اور اچھے ساتھی ہوں۔اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس پروگرام کے لئے کافی دعا کرنے اور دعا گو ساتھیوں کی ضرورت ہے۔اور دعا کے ذریعہ ہی خداوند سے ایسے مبشر کے مانگنے کی ضرورت ہے جو واضح طور پر خوشخبری پیش کرتا ہو اور صاف گوئی اُسے نعمت کے طور پر ملی ہو۔

ایسے پروگراموں میں کئی کمزور پہلو بھی ہو سکتے ہیں۔اُن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ لوگ جو خوشخبری سُن کر ردِ عمل کا اظہار کرتے ہیں اُن میں فالو اَپ (Follow up) کا کام نہیں



ہوتا۔وہ لوگ وہاں کے وہاں ہی رہ جاتے ہیں اور اُن کے فیصلے بھی وہاں تک ہی محدود رہ جاتے ہیں۔اگر ایسے لوگ جو مسیحی نہیں اور وہ مسیح کے پاس آتے ہیں یا مزید سیکھنے کا اظہار کرتے ہیں تو ایسوں کے نام اور پتے بائبل کارسپانڈنس انسٹیٹیوٹس کو دیئے جائیں تاکہ وہ اُن سے رابطہ کر سکیں۔اس ضمن میں نیو لائف انسٹیٹیوٹ بھی آپ کا بہترین مددگار ثابت ہوگا۔ان نئے روحانی بچوں کو سنبھالنا اور اُنکی رُوحانی خوراک کا انتظام کرنا ضروری ہے ورنہ وہ بیچارے مر جائیں گے۔اُن کا خیال رکھنا ہمارا فرض اولین ہے۔یاد رکھیں کہ کوانٹٹی Quantity تو ہو مگر اس سے کوالٹی Quality کا بننا بھی نہایت ضروری ہے۔

## ۳۔ بشارت بذریعہ لٹریچر و کارسپانڈنس انسٹیٹیوٹس:

یہاں پر لٹریچر سے مراد ایسا تحریری مواد ہے جو دوسروں کے ہاتھوں میں جائے۔ لٹریچر بھی دوسروں کو مسیح کے پاس لانے کا وسیلہ بنتا ہے۔

ایک نوجوان جو حالات سے تنگ آ کر خودکشی کرنے جا رہا تھا ٹرین پر بیٹھ گیا کہ دوسرے شہر جاؤں گا۔ جب ٹرین میں سفر جاری تھا تو ایک انجیل کا مبشر اس کے پاس آیا اور اس نے اس نوجوان کو ایک چھوٹا سا پمفلٹ دیا۔ پریشانی کی وجہ سے اس نوجوان نے اس پمفلٹ کو ہاتھوں میں دبا کر بال بنا کر پھینک دیا اور یوں وہ سو گیا۔ جب اٹھا تو نظر اسی گول سے کاغذ پر پڑی اور سامنے والی طرف لکھا تھا کہ "ہلاک نہ ہو" یہ الفاظ اس کی توجہ کا مرکز بن گئے۔ جب پورا پمفلٹ سیدھا کر کے اسے پڑھا تو معلوم ہوا کہ یہ انجیل کی ایک آیت ہے یوحنا 3:16۔ اس کہانی نے اس کے دل کو چھو لیا۔ چنانچہ اس نے محسوس کیا کہ یہ پیغام میرے لئے ہے اور یوں وہ اس پمفلٹ کے پیچھے دیئے ہوئے ایڈریس پر پہنچ گیا اور وہاں پر موجود خدا کے خادم سے رہنمائی پائی اور آخر کار مسیح کو اپنے نجات دہندہ اور خداوند کے طور پر قبول کر لیا۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسا لٹریچر جو ہمارے لوگوں کی ضرورت کو پورا کرے نہیں ملتا۔ میں یوں کہوں گا کہ جو مواد ہے اسے مسیحی لوگوں کیلئے سمجھنا تو آسان ہے لیکن غیر مسیحی لوگوں کیلئے دشوار ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس لٹریچر میں ایسی اصطلاحات مستعمل ہوتی ہیں جن سے غیر لوگ ناواقف ہیں۔ میں نے ایسی اصطلاحات کا پچھلے چند صفحات پر پہلے ہی ذکر کر دیا ہے۔ ان اصطلاحات کے علاوہ ہمارے عنوان یا لٹریچر کے ٹائٹل و مضامین ایسے ہوتے ہیں جن پر نظر پڑتے ہی کوئی غیر مسیحی کہتا ہے کہ یہ لٹریچر عیسائیوں کا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ لٹریچر کے مضامین بڑے دلچسپ ہوں لوگوں کی ضرورت کے مطابق ہوں۔ اور پیغام انجیل کا ہو لیکن الفاظ ان کے ہوں تاکہ وہ اپنی زبان میں حقیقت کو سمجھ پائیں۔ اگر اتفاق ہو تو نمونے کے طور پر میرے تین پمفلٹ ہیں "دشمن سے محبت"، "سُپر پاور ایک ہی ہے"، "نوید آزادی" آپ ان کو پڑھیں اور ساتھ ہی میری دو اور چھوٹی کتب ہیں ان کا بھی مطالعہ فرمائیں آپ کیلئے کافی مددگار ہوں گی۔ ان کے نام،،



توراتِ شریف، زبور شریف اور صحائف الانبیاء کا مختصر جائزہ اور "میرے لوگوں کو تسلی دو" ہے۔

سرزمینِ پاکستان میں نہ صرف لکھنے والوں کی کمی ہے بلکہ وسائل میں بھی ہم پیچھے ہیں۔ اوّل تو اگر کوئی لکھنے والا پیدا ہو ہی جائے تو اس کی تحریر پر ہم ایسی تنقید کرتے ہیں کہ اس بیچارے کا لکھنے کا جذبہ ہمیشہ کیلئے مر جاتا ہے۔ میں تعمیری تنقید کا تو قائل ہوں جو برادرانہ روح میں کی جائے لیکن ایسی تنقید جو بے معنی ہے اس کے حق میں نہیں ہوں۔ میں اس بات کا قائل ہوں کہ لٹریچر خواہ کوئی ہی کیوں نہ ہو ہمیں معلوم ہے کہ ابھی تک ایسا کوئی لٹریچر مارکیٹ میں نہیں جس میں کوئی نہ کوئی کمی نہ ہو لہٰذا ہمیں ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی کرنیکی ضرورت ہے جن کے اندر لکھنے کا جذبہ ہے۔ اور جیسا میں نے پہلے کہا کہ اگر کوئی لکھنے والا پیدا ہو ہی جائے تو پھر پرنٹنگ کیلئے اسے بھیک مانگنی پڑتی ہے۔ کیونکہ کلیسیائے پاکستان دینے میں بہت پیچھے ہے۔

ایسا لٹریچر جو غیر مسیحی لوگوں کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھا جائے ضروری ہے اس کے اختتام پر کسی نہ کسی ادارے کا نام و پتہ ہوتا کہ وہ شخص مزید جاننے کیلئے رابطہ کر سکے۔ ایسے اداروں سے مراد کارسپانڈنس انسٹی ٹیوٹ ہیں۔ اسکی وجہ یہ بھی ہے کہ اس شخص کا رابطہ مسلسل مسیحی اداروں سے رہے گا اور ذہن میں کسی بھی سوال کے اٹھنے پر ان سے پوچھ پائے گا کہ یہ کیا ہے اور اس کا کیا مطلب ہے۔ نیز کارسپانڈنس انسٹی ٹیوٹ کے ذریعہ وہ دیر تک ہمارے رابطے میں رہیگا۔

## (۴) بشارت بذریعہ ریڈیو:

ریڈیو کے ذریعہ سے بھی لوگ مسیح کے پاس آتے ہیں۔ میں ریڈیو کے اُن پروگراموں کی بات کرتا ہوں جو مسیحی پروگرام ہیں۔ ایک استاد جو ہمارے پڑوسی ملک بھارت سے تھے۔ انہوں نے ایک سیشن میں ایک بڑی زبردست گواہی سنائی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے ریڈیو پر ''خدا کی برکات ہمارے لئے'' کے موضوع پر ایک پیغام دیا۔ اس بات سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جہاں ہم نہیں پہنچ سکتے وہاں ہوا کی لہروں سے آواز بہ آسانی پہنچ سکتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ کچھ عرصہ کے بعد ایک دور کے علاقے میں کنونشن ہوئی تو مجھے وعظ کرنے کے لئے وہاں بلایا گیا۔ کنونشن میں وعظ کرنے کے بعد وہ کہتے ہیں کہ ایک جوڑا اپنا چھوٹا سا بچہ گود میں لئے میرے پاس آ کر کہنے لگا کہ ''جناب اس بچے کے لئے آپ برکت چاہیں''۔

چنانچہ میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ کے اس بچے کا نام کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ''پُرکاش''۔ میں نے کہا کہ ہاں میرا نام پُرکاش ہے لیکن آپ کے اس بچے کا نام کیا ہے۔ انہوں نے پھر کہا کہ جی اس کا نام پُرکاش ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس جوڑے نے یہ کہا کہ ''جناب ایک مرتبہ آپ ریڈیو پر پیغام دے رہے تھے اور آپ کا موضوع تھا ''خدا کی برکات ہمارے لئے''۔ یہ پیغام اس قدر مؤثر تھا کہ ہم دونوں میاں بیوی نے اسے اپنے لئے لیا اور برکات بخشنے والے کو اپنی زندگی میں اولیت دی۔ اس سے قبل ہم اولاد کی برکت سے محروم تھے۔ لیکن اُس پیغام کے بعد ہم نے خدا کے حضور دعا کی کہ اے خداوند اگر تو نے ہمیں بیٹا دیا تو ہم اُس کا نام اسی مبشر کے نام سے رکھیں گے۔ جس کے وسیلہ سے ہم نے برکت پائی۔ چنانچہ خدا نے ہمیں بیٹا دیا اور ہم نے اُس بچے کا نام وہی رکھا جو آپ کا ہے''۔ میرے استاد کہتے ہیں کہ یہ بات سن کر میں بہت حیران ہوا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ بڑے عجیب طور پر کام کرتا ہے۔

میں جو بات کہہ رہا ہوں وہ یہ ہے کہ خدا ریڈیو منسٹری کے ذریعہ سے بھی اپنا کام کرتا ہے۔ ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ فیا ریڈیو کے ذریعہ سے پاکستان کے طول و عرض میں خدا کی محبت کے پیغام سنے جا سکتے ہیں۔ میں پروگرام تیار کرنے والوں کے لئے بھی خدا کا شکر ادا کرتا



ہوں کہ وہ ایسی ہی زبان میں بولتے ہیں جو بڑی آسانی سے غیر مسیحی لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن جہاں پر بہت سی اچھی باتیں ہیں وہاں ایک کمی بھی ہے اور وہ یہ کہ ہر ایک کے لئے فیا ریڈیو اسٹیشن ڈھونڈنا اتنا آسان نہیں ہے۔ بعض اوقات تو نئے لوگ پروگرام سننے کے لئے اسٹیشن ہی ڈھونڈتے رہتے ہیں کہ پروگرام کا وقت ہی ختم ہی جاتا ہے۔

## (۵) بشارت بذریعہ ٹیلی ویژن:

تجزیاتی حضرات کہتے ہیں کہ بصری مواد زیادہ دیر تک ذہن میں رہتا ہے اور اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے۔ موجودہ دور میں کیبل نیٹ ورک کے ذریعے کافی مسیحی پروگرام آتے ہیں لیکن میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ خواہ کوئی ہی طریقہ کیوں نہ ہو اگر وہ ہمارے لوگوں کے لئے موثر نہیں ہے تو گویا وہ بے فائدہ اور غیر موزوں ہے۔

پاکستان ٹیلی ویژن پر مسیحی پروگرام نہیں آتے اور اگر آتے بھی ہیں تو یومِ ولادت المسیح پر یا یومِ قیامت المسیح پر آتے ہیں اور وہ بھی تقریباً 20 سے 30 منٹ کیلئے ہوتے ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ پروگرام مسیحی لوگوں کے لئے تو ہوتے ہیں مگر غیر مسیحی لوگوں کے لئے نہیں ہوتے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اتنے صاف اور معیاری نہیں ہوتے کہ اُن میں انجیل ہو۔

حقیقت تو یہ ہے کہ پاکستان کی 98 فیصد اکثریت کے لئے ان پروگراموں کا ہونا اور پھر اُن کی زبان میں اُن کی ضرورت کو پورا کرنا ضروری ہے۔ اگر ہمیں ٹیلی ویژن پر 20 منٹ ملتے ہیں تو ہم خدا کا شکر کرتے ہیں اور اِن 20 منٹوں میں ہم بہت کچھ کہہ سکتے ہیں۔ لیکن روایتی پروگراموں کے ذریعہ اس وقت کا محض زیاں ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اور وہ لوگ جن کی رسائی ہے وہی منکرین پر نظر آتے ہیں جبکہ ایسے لوگ بھی کلیسیا میں موجود ہیں جو ان 20 منٹوں کو بڑے زبردست طور پر استعمال کر سکتے ہیں کہ 98 فیصد اکثریت کو واقعی معلوم ہو جائے کہ مسیح یسوع کے اس دنیا میں آنے اور مرنے اور دفن ہونے اور جی اُٹھنے کے پیچھے کون سی بڑی بات تھی۔ اور یہی انجیل ہے۔ جس ڈگر پر ہم آج چل رہے ہیں اس کے ذریعہ سے بیداری نہیں آئے گی ہمیں اپنے طریقوں کو بدلنے کی ضرورت ہے اور وہ لوگ جو پہلے ہی اکثریت میں بشارتی کام میں مصروف ہیں اُن سے مشورے اور رائے کا لینا ضروری ہے۔ میں نچوڑ کے طور پر یہ کہہ رہا ہوں کہ افسوس ہے کہ فی الحال ہمارے ٹیلی ویژن پروگرام غیر معیاری ہیں اور یوں ہم وقت کا زیاں کر رہے ہیں جو مناسب نہیں ہے۔ ہمیں اپنی سوچ بدلنے اور اپنی صفوں کو درست کرنے کی ضرورت ہے۔



## (۶) بشارت بذریعہ انٹرنیٹ:

عہد حاضر میں کمپیوٹر اور انٹرنیٹ گھر گھر کی ضرورت بن چکا ہے۔ دنیا میں بے شمار لوگ آج کمپیوٹر کی دنیا سے واقف ہیں۔ اس کے ذریعے بے شمار ایسی ویب سائٹس ہیں جو بشارت کا کام کر رہی ہیں اور یہاں تک کہ آپ Chatting بھی کر سکتے اور یوں آپ سوال و جواب بھی کر سکتے ہیں۔ ان میں سے چند Web Sites "2001" میں امت اخبار کراچی نے شائع کی تھیں اور ہم ایڈیٹر کے ممنون ہیں۔ میں چند ایک لکھ دیتا ہوں تاکہ آپ مدد حاصل کر سکیں۔ ان سائٹس سے آپ معلومات حاصل کر سکتے ہیں مگر یہ سائٹس اور کیا پیش کرتی ہیں میں اس کا جوابدہ اور ذمہ دار نہیں ہوں۔

www.crossdaily.com

www.abrahamic-faith.com

www.call-of-hope.com

www.gospel.com

www.jesus.org

www.answering-islam.com

www.bible.com

www.the-good-way.com

www.debate.org.uk

www.openmysite.com/firmanallah

http://isaalmasih-net

## (۷) بشارت بذریعہ فلم منسٹری:

یاد رکھئے کہ اہلِ اسلام میں انبیاء کی زندگی پر فلمائی گئی فلموں کا تصور ہی نہیں بلکہ اسے بہت بڑا گناہ سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا جب ”مجیز ز Jesus“ فلم کی بات ہوتی ہے تو پھر مندرجہ بالا تصور کو بھی مدِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ مجھے غلط نہ سمجھئے کہ گویا میں یہ کہہ رہا ہوں کہ ان فلموں کے ذریعے کام نہیں ہوتا۔ ضرور ہوتا ہوگا لیکن میں اُن لوگوں کی بات کرتا ہوں جن میں ہم فلم منسٹری چلا رہے ہیں۔ اِن فلموں میں ہمارے مشرقی لوگ نہیں اور معاشرہ بھی نہیں اور جس معاشرے میں ہم آج رہ رہے ہیں وہاں گورے آدمی کو تو دیکھنا بھی گوارہ نہیں کیا جاتا۔

ایک فلم جس کا نام ”دیا ساگر“ ہے وہ بھارت نے بنائی ہے اور اس میں سلُومی کا ڈانس بھی ہے۔ لہٰذا یہ فلمیں غیر مؤثر ہو سکتی ہیں۔ انہیں مؤثر بنانے کے لئے ہمیں اپنے کام کو تبدیل کرنے یعنی طریقۂ کار میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے۔ آپ اس تعلق سے ایک فلم ”اللہ ہے محبت“ دیکھیں۔

اس فلم میں مسیح یسوع کی تعلیمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں معاشرہ بھی ہمارا ہے اور کالے گورے کا سوال بھی نہیں ہے۔ اگرچہ یہ فلم مصر میں بنی ہے۔ میں کہوں گا کہ ایسی فلم آپ تحفتاً دوسروں کو دے سکتے ہیں۔ انبیاء کی تصاویر والی فلمیں دوسروں کو نہ دیں تو مناسب ہوگا۔ یہ میرا صرف مشورہ ہے، حکم نہیں ہے۔ اور ضروری نہیں کہ آپ میرے ساتھ متفق ہوں۔

## (۸) بشارت بذریعہ اخبارات:

اخبارات کو دو طریقوں سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ کارسپانڈنس اسکول ایسے اشتہارات دیں کہ لوگ اُن سے رابطہ کر سکیں اور خدا کا شکر ہو کہ ایسا ہو رہا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے پاس اگر کوئی ایک آدھ صفحے پر مشتمل لٹریچر ہو تو اخبار فروش کو دیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی اخبارات میں ڈال کر تقسیم کرے۔ نیز عیدِ ولادت المسیح اور عیدِ قیامت المسیح کے موقع پر ایسے مضامین دیئے جا سکتے ہیں جو خوشخبری کے کلام کو واضح طور پر پیش کریں۔ میں پھر سے یہی مشورہ دوں گا کہ اچھا ہوگا کہ آپ اپنے مضمون کے آخر پر کسی ادارے کا پتہ دیں تا کہ مزید تحقیق کرنے



والے وہاں پر رابطہ کر سکیں۔

## (۹) مسیحی طرزِ زندگی کے ذریعہ بشارت:

میں نے اس موضوع پر پہلے ہی کچھ کہہ دیا ہے اور اگر آپ مزید جاننا چاہیں تو پھر ”مبشر کون ہے“ کے مضمون پر دوبارہ جائیں تو پھر اس مضمون پر وسیع مواد ملے گا۔

## (۱۰) بشارتی کام میں مالی معاونت:

کلیسیائے پاکستان کے ایماندار اس پہلو کے اعتبار سے بہت پیچھے ہیں۔ ہمارے پادری صاحبان میں سے اکثریت ایسوں کی ہے جن کی مالی مدد دوسرے ممالک کی کلیسیائیں کرتی ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ مقامی کلیسیائیں دینے میں پیچھے ہیں۔ حالانکہ ایسا ہونا نہیں چاہئے۔ ہاں کچھ ایسی کلیسیائیں ہیں جو اپنے پاسبان کی ضروریات پوری کرتی ہیں اور یہ اچھا ہے اور جو کلیسیائیں ایسا نہیں کرتیں وہ مضبوط کلیسیائیں نہیں ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ایسی کلیسیاؤں میں کام کرنے والے پاسبان کے وسائل محدود ہیں اور وہ کئی کئی جگہوں پر اپنا کام شروع کرتا ہے اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اِن میں سے کوئی بھی کلیسیاء مضبوط نہیں ہوتی کیونکہ پاسبان خود مضبوط نہیں ہوتا۔ اور کوئی بھی کلیسیا اپنے پاسبان سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔

کسی نے یہ کہا کہ اگر ایک پاسبان جم کر ایک ہی کلیسیا میں کام کرے تو کام ختم ہی نہیں ہوتا اور پاسبان بھی انتہائی مصروف ہوگا۔ اور یہ بات سچ ہے اور اس میں ذرا بھی شک کی بات نہیں ہے۔ آپ خود سوچیں کہ کتنی کلیسیائیں ہیں جو یہ سمجھتی ہیں کہ بشارت کیا ہے؟ اکثریت ایسوں کی ہے جو سمجھتی ہی نہیں ہیں اور ارشادِ اعظم تو اُنہیں زبانی آتا ہے مگر رہتے اپنے ہی محور میں ہیں۔ ایسی کلیسیا جو ارشادِ اعظم کو ہی نہیں سمجھتی وہ بشارت کے کام کو کوئی ترجیح نہیں دیتی۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ بات نوید غلط کہہ رہا ہے اور میں متفق نہیں ہوں تو پھر جواب دیجئے کہ آج ہماری کتنی کلیسیائیں ہیں جو غیر مسیحی لوگوں میں بشارتی کام کرتی ہیں۔ جواب دیانتداری سے دیجئے، ریاکار نہ بنیئے تو خود ہی معلوم ہو جائیگا کہ میں صحیح ہوں یا غلط ہوں۔ یہ بھی سوچیئے گا کہ آپ کتنوں کے پاس جاتے ہیں۔

میں یہ کہہ رہا ہوں کہ ایسی کلیسیائیں جو گھٹنوں اور ان کے ممبران سے حل کرنی ہیں، ایسی کلیسیائیں جن میں بیداری نہیں ہے، لیڈر کی ضروریات پوری نہیں کرسکتیں، نہ بشارت کے کام کو سمجھتی ہیں اور نہ ہی ارشادِ اعظم کو۔ اُن سے یہ توقع بھی نہیں کی جاسکتی کہ وہ بشارتی کام میں معاونت کرینگی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اِن لوگوں کو اس اہم خدمت سے متعارف بھی نہیں کروایا جاتا اور سکھایا بھی نہیں جاتا۔ جن کلیسیاؤں میں مجھے اس موضوع پر کچھ سکھانے کا اتفاق ہوا اُنہوں نے اس امر میں بڑھ چڑھ کر مدد کی۔ لہٰذا کلیسیاؤں کو سکھانے کی ضرورت ہے کہ وہ اِن امور کی طرف بھی توجہ دیں اور لوگ سیکھنا چاہتے ہیں بشرطیکہ اُن کو سکھایا جائے۔

## (II) بشارت بذریعہ فلاحی امور:

اس سے مراد یہ ہے کہ ایسے ادارے جو لوگوں کی طبی طور پر، تعلیمی اعتبار سے اور کسی بھی طریقے سے مدد کر سکتے ہیں تو کریں۔ ان میں ہسپتال، سکول اور دیگر چھوٹے مراکز ہو سکتے ہیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ یسوع نے ہمیں ایسے مراکز کھولنے کے لئے کہیں بھی حکم نہیں دیا بلکہ بشارت کا کام کرنے کا حکم دیا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جب میں فلاحی اداروں کے ذریعہ بشارت کہتا ہوں تو اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ اوّلیت فلاحی کاموں کو ہو بلکہ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اوّلیت بشارت کو ملنا ضروری ہے۔ اگر بشارتی کام نہیں ہو رہا تو پھر یہ بزنس انسٹیٹیوشنز یعنی کاروباری ادارے تو ہو سکتے ہیں مگر بشارت کا کام کرنے والے نہیں ہو سکتے۔

ہم ایسے اداروں کے لئے اور ہسپتالوں کے لئے خدا کا شکر ادا کرتے ہیں لیکن آپ بھی دیکھیں اور ہسپتال والے بھی دیکھیں کہ وہاں سے کتنا زیادہ بشارت کا کام ہو رہا ہے۔ اگر نہیں ہو رہا تو پھر ہمیں آج ہی اپنی صفیں سیدھی کرنے کی ضرورت ہے تاکہ کوئی بھی انجیل کے بغیر رہ نہ جائے بلکہ متی 14:24 کے مطابق ہر بشر تک خوشخبری کا کلام پہنچے تاکہ مسیح کا آنا جلد ہو سکے۔



# بشارتی کام میں رکاوٹیں

اس مضمون کے تحت میں بہت کچھ لکھ سکتا ہوں لیکن اگر چند ہی باتیں ہوں اور وہ بھی وزن دار ہوں تو زیادہ اچھا ہے۔ میں یہاں پر اپنے بچپن کی یادوں میں سے ایک بات تحریر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس موضوع کے ساتھ اس بات کا بڑا گہرا تعلق ہے۔

میری ماں، ہم بہن بھائیوں کا بہت ہی خیال رکھتی تھیں۔ جب کبھی ایسا موسم آتا تھا کہ اُس میں زیادہ تر لوگ بخار میں مبتلا ہوتے تو ہمارے بیمار ہونے سے پہلے ہی وہ ہمیں ایک گولی کھلاتی تھیں جس کا نام ''کونین'' تھا۔ جب میں یہ گولی کھاتا تو یہ اس قدر کڑوی ہوتی تھی کہ میرا منہ کئی مراحل سے گزرتا اور میں کئی اشکال بھی بناتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کو بھی یہ تجربہ ہوا ہو۔ لیکن بات یہ ہے کہ اس گولی کے کھا لینے سے واقعی بخار نزدیک نہیں آتا تھا۔ میری ماں جانتی تھی کہ یہ گولی کھانا آسان نہیں ہے تو بھی وہ یہ گولی اس لئے کھلاتی تھی کیونکہ وہ ہمارا بھلا چاہتی تھی۔

میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس موضوع کے تحت جو کچھ میں لکھوں گا ممکن ہے کہ وہ آپ کے لئے ذرا سخت بات ہو جو کڑوی گولی کی طرح ہو لیکن کھا لیجئے کیونکہ اس میں آپ کی صحت ہوگی۔ میرے ایک دوست ہیں جن کا نام صابر احمد ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ ''میں کڑوی گولی کھانے کا عادی ہوں اور پسند بھی کرتا ہوں۔ لہٰذا جو بھی کہنا ہے کھل کر کہیں اس سے میری صحت ہوگی''۔ یہی وجہ ہے کہ وہ آج ایک اچھے اور کامیاب مسیحی ہیں۔

میں آپ کی توجہ اس طرف لانا چاہتا ہوں کہ غور فرمائیے کہ ضرورت کتنی ہے؟ تقریباً 98 فیصد۔ اور اس ضرورت کو پورا کرنے والے مزدور کتنے ہیں؟ نہ ہونے کے برابر یا اُنگلیوں پر گِنے جا سکتے ہیں۔ آخر کیوں؟ اور اس کی وجہ کیا ہے؟

## (I) اصل حقیقت:

ایک بات کہنے کا جی کرتا ہے اور ڈر لگتا ہے کہ کہیں مجھ پر فتویٰ نہ لگ جائے لیکن کہنے

دیجئے۔ وہ حقیقت یہ ہے کہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اَب پاکستان میں سے سیمنریوں اور بائبل اسکولوں کو بند ہو جانا چاہئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جتنے زیادہ پادری بنتے جاتے ہیں اتنے ہی زیادہ تفرقے اور نفاق پیدا ہو رہے ہیں۔ ہر کوئی سوچتا ہے کہ ہم ہی جنت کے ٹھیکیدار ہیں۔ کوئی 10 سال کی سیمنری کراتا ہے، کوئی 3 سال کی، کوئی دو سال کی اور کوئی ایک سال کی، اور کوئی ایسے ہی دکان کھولے بیٹھا ہے اور سیمنری کا نام رکھا ہوا ہے۔ نہ تو تعلیمی معیار کا خیال رکھا جاتا ہے اور نہ ہی روحانی معیار کا خیال رکھا جاتا ہے۔ ایسے اداروں سے نکلنے والے 99.99 فیصد لوگ مسیحیوں کے پاس جاتے ہیں اور بھیڑیں چوری کرتے ہیں اور مقابلہ بازی ہوتی ہے جو مسیحی روح نہیں ہے۔

دیکھئے ہماری جنگ روحانی ہے اور ہمارا دشمن نہیں چاہتا کہ ہم بشارت کے کام سے متعلق جانیں۔ لہٰذا افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان بائبل اسکولوں اور سیمنریوں میں دیگر مضامین تو پڑھائے جاتے ہیں لیکن یہ نہیں کہ غیر مسیحی لوگوں میں کیسے بشارت دیں۔ ہم دُم دبا کر بیٹھے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں حکمت سے کام لے رہا ہوں۔ کہتے ہیں کہ خادم تیار کرتے ہیں جبکہ زیادہ تر بھیڑ چور ہیں، کہتے ہیں کہ نمک و نور ہیں اور خود اپنی نمکینی اور روشنی نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ مبشر ہوں اور جاتے اُن کے پاس ہیں جن کے پاس پہلے ہی بشارت پہنچ چکی ہے۔ متی 28:19-20 پڑھتے ہیں مگر فیشن کے طور پر اور سمجھتے نہیں کہ یہ کیا ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ سیمنریز اور بائبل اسکولوں میں زیادہ تر مضامین غیر مسیحیوں تک رسائی سے متعلق پڑھائے جائیں تو اس سے اچھی بات ہی کوئی نہیں ہوگی۔ اَب مسیحیوں میں کام کرنے والے لوگوں کی کمی نہیں ہے لہٰذا خدا کے لئے اور نہ بھیجیں بلکہ غیر مسیحیوں میں بشارتی کام کے لئے ایسے لوگوں کی تربیت کی جائے جو دکھ سہنے کے لئے اور جان دینے تک وفادار رہنے کے لئے اپنے آپ کو تیار پائیں۔ ازراہِ کرم اس حقیقت سے پردہ پوشی نہ کریں کہ یہ انتخاب کی بات نہیں ہے بلکہ حکم ہے اور حکم ماننا قربانی چڑھانے سے افضل ہے۔

میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ ایک بائبل انسٹیٹیوٹ جس کا نام زیڈ۔ بی۔ آئی ہے وہاں سے میں بھی تعلیم حاصل کر کے آیا ہوں۔ اس انسٹیٹیوٹ نے مجھے دعوت دی اور میں نے وہاں غیر



مسیحیوں میں بشارت کے مضمون پر پڑھایا اور خوشی کی بات ہے کہ اس موضوع کو خوب سراہا گیا ہے۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ سکھانے والے نہیں ہیں سیکھنے والے ہیں اس وقت بھی دو اداروں میں یہی کورس پڑھا رہا ہوں۔

قصہ المختصر یہ کہ غیر مسیحی لوگوں میں بشارت کا کام سرانجام دینے کیلئے ہماری کلیسیاؤں میں ٹیچنگ و ٹریننگ کا بحران ہے۔ لوگ نہیں جانتے کہ اگر کوئی شخص مجھ سے کوئی سوال پوچھے تو میں کیا جواب دوں گا۔ یہی وجہ ہے کہ عام ایماندار تو کیا پادری صاحبان بھی متلاشیوں کو اُن لوگوں کا ایڈریس دیتے ہیں جو پہلے ہی اس کام میں مصروفِ عمل ہیں۔ میرا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہم کیوں مدد کریں۔ یا وہ کیوں ایسے لوگوں کو ہمارے پاس بھیجتے ہیں۔ ہم خوش ہیں کہ پادری صاحبان ایسے متلاشیوں کو ہمارے حوالے کرتے ہیں لیکن میں یہ پوچھتا ہوں کہ وہ خود کیوں نہیں ایسے لوگوں کی مدد کرتے۔ عین ممکن ہے کہ نہ صرف یہ ہے کہ وہ اُن کے سوالوں کے جوابات نہیں جانتے بلکہ یہ بھی ہے کہ وہ سولی پر چڑھنا بھی نہیں چاہتے۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں ضروری ہیں۔

## (۲) مواد میسّر نہیں:

میں یہ کتاب اس ضرورت کے تحت لکھ رہا ہوں کہ اس کتاب کے پڑھنے کے بعد ایک مسیحی جہاں کہیں بھی ہے وہ انجیل پیش کرنے کے لئے دلیر ہو جائے۔ اس موضوع پر کہ غیر مسیحیوں تک کیسے انجیل کے ذریعے رسائی کی جائے شاید ہی کوئی کتاب ہو اسی لئے تو میں نے اس کتاب کے لکھنے کا بیڑا اُٹھایا ہے تاکہ میں ایسی باتیں لکھ پاؤں جو ایمانداروں کو بیدار کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ اور مجھے معلوم ہے کہ یہ کتاب اس ضمن میں بڑی مددگار ثابت ہوگی۔

## (۳) احساسِ کمتری و دہشت کی روح:

بشارت کا کام نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مسیحی ڈر اور خوف کی روح میں مبتلا ہیں۔ جبکہ کلامِ پاک کے مطابق ہمیں دہشت کی روح نہیں ملی ہے۔ بلکہ قدرت کی روح ملی ہے۔
(2۔ تیمتھیس 1:7)

میں سمجھتا ہوں کہ ایسے لوگ ہیں جو غیر اقوام میں انجیل کی منادی کی وجہ سے بڑے خطرے میں اپنے آپ کو محسوس کرتے ہیں کہ یہ اُن کے ایمان کی کمزوری ہے۔ غیر مسیحی لوگ مسیحیوں کا خون کرنا کارِ ثواب سمجھتے ہیں اُن کے نزدیک کسی بلی یا کتے کو مارنا گناہ ہے مگر عیسائی کو مارنا ثواب ہے اور یہ عام سوچ ہے۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ مسیح نے پہلے ہی یہ کہہ دیا تھا کہ میرے نام کے سبب سے تمہارے ساتھ ایسا ہوگا اور وہ ہو رہا ہے لہٰذا ہمیں ہر وقت تیار رہنے کی ضرورت ہے۔ آپ نے سنا ہی ہوگا کہ شہداء کا خون کلیسیا کا بیج ہے لہٰذا ہم اُن سے نہ ڈریں جو بدن کو قتل کرتے ہیں بلکہ اُس سے ڈریں جو جسم و جان دونوں کو نارِ جہنم کی نظر کر سکتا ہے۔

## (۴) منفی سوچ:

افسوس سے کم بات نہیں ہے کہ ایسے بے شمار مسیحی ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ انجیل کی منادی کرنا صرف پادریوں کا کام ہے اور یہ اس لئے ہے کیونکہ اُن کو سکھایا نہیں گیا وہ خود کلام سے واقف نہیں ہیں۔ حالانکہ یہ ہر مسیحی کے لئے حکم ہے کہ وہ منادی کرے۔ شاید میں یہ بات پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ یسوع کے شاگردوں میں کوئی بھی پادری، فادر یا بشپ نہیں تھا۔ بلکہ وہ سب کے سب شاگرد ہی تھے اور انجیل کی منادی کا حکم شاگردوں کو ہی دیا گیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کئی مسیحی جو خود خدا کے پیار سے ناواقف ہیں وہ غیر اقوام کو سؤر سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بائبل میں لکھا ہے کہ اپنے موتی سؤروں کے آگے نہ ڈالو۔ لہٰذا ہم غیر مسیحیوں میں انجیل پیش نہیں کرتے۔

حقیقت میں بات اس کے برعکس ہے۔ میں عموماً یہ کہا کرتا ہوں کہ سؤر کا خطاب غیر مسیحیوں پر نہیں بلکہ اُن لوگوں پر صادق آتا ہے جو خدا کا کلام سُن سُن کر سُن ہو گئے ہیں لیکن وہ ابھی تک ٹس سے مَس نہیں ہوئے۔ یہ بے قدر لوگ مسیحیوں میں پائے جاتے ہیں اور ہمیں خبردار ہونے کی ضرورت ہے کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔ یہ غیر مسیحی لوگ نہیں ہے۔



## (۵) مالی رکاوٹ:

میرے ایک استاد صاحب نے فرمایا کہ ملاکی 3 باب سے دینے کا اصول اگر ہم لوگوں کو سکھاتے نہیں تو اس سے یہ مطلب نکلے گا کہ ہم خود لوگوں کو چور، ٹھگ اور ڈاکو بناتے ہیں۔ کیونکہ وہاں خدا یہ فرماتا ہے کہ ہدیہ اور دہ یکی نہ دینے کے اعتبار سے تم مجھے ٹھگتے ہو۔ اور میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ ہم نے نہ ہی زبانی سکھایا اور نہ ہی کلیسیائے پاکستان میں عملی طور پر سکھایا۔ اور یہی سبب ہے کہ ہم پاسبان زندہ خدا کے حکم کی نافرمانی کرتے ہوئے مغربی مسیحیوں کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ یوں ہم پرواہ نہیں کرتے کہ گورا یا کالا کیا تعلیم لایا ہے اور اگر پرواہ کرتے ہیں تو اُس کے برعکس کرتے ہیں اُس میں کچھ لایا ہے کہ نہیں۔

میں نے کئی لوگوں کو دیکھا جو اپنے آپ کو خدا کی طرف سے بلائے ہوئے کہتے ہیں مگر ایک مشن سے دوسری میں اور پھر تیسری اور یوں چوتھی مشن میں چھلانگیں مارتے ہی جاتے ہیں اور یہ نہ تو کسی کی بلاہٹ کو اور نہ ہی روحانیت کو ظاہر کرتا ہے۔ کئی تو ایسے ہیں جو پیسے کی خاطر بدعتی تعلیمات کے پیچھے بہتے چلے جاتے ہیں۔

ایک مقدس نے کہا کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دہ یکی پرانے عہد نامے کی تعلیم ہے یہ نئے عہد نامے کی تعلیم نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر دہ یکی پرانے عہد نامے کی تعلیم ہے نئے کی نہیں اس لئے ہم دیتے نہیں تو پھر زبور 23 پڑھنے کا ہمارا کوئی حق نہیں بنتا کیوں کہ وہ بھی پرانے عہد نامے میں تھے۔

کولگیٹ ٹوتھ پیسٹ بنانے والا ولیم کولگیٹ اپنی آمدن سے دس فیصد دہ یکی دیتا تھا اور یوں وہ شخص آج اپنی آمدن کا 10 فیصد خود رکھتا ہے اور 90 فیصد خداوند کے لئے نکالتا ہے اور خدا نے ایسوں کو برکت بھی دی ہوئی ہے۔

## (۶) عملی مسیحی زندگی کا بحران:

تعلیماتِ المسیح کے مطابق اور پولس رسول کے مطابق اگر محبت جو روح کا پھل ہے نہیں تو پھر ہم خواہ کچھ ہی کیوں نہ بن جائیں، ہم کچھ بھی نہیں ہیں۔ اس محبت میں سب سے پہلے خدا کو

اوّلیت ملنی ضروری ہے اور پھر دیگر ہم ایمان، پڑوسی، غیر مسیحی اور یہاں تک کہ ہمارے ستانے والوں اور دشمنی رکھنے والوں سے بھی محبت کرنا ایک مسیحی کا اہم ترین خاصہ ہے۔ افسوس کہ اس وقت ایسی محبت کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے اور اسکی جگہ نفرتوں اور کدورتوں نے لے لی ہے۔ ہم دوسرے کو پچھاڑ کر آگے نکلنے کے خواہاں ہیں۔ کئی قسم کی زبانوں کے بولنے کے دعویدار ہیں مگر محبت کی زبان بولنے سے عاجز ہیں۔ چاہتے ہیں کہ میں محبت نہ کروں دوسرے مجھ سے کریں۔ انجیل کی گواہی بھی جو عملی نہیں ہے محض زبانی ہے وہ ریا کاری ہے اور ریا کار کیلئے خداوند کی طرف سے کوئی اجر نہیں ہے۔

چند سال پیشتر میں اپنی بیٹی کو سکول چھوڑنے گیا اور جب میں سکول کے باہر گاڑی میں بیٹھا ہی ہوا تھا تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر "آج مسیحا اس دنیا میں اپنی آمدِ ثانی میں واپس آ جائے تو اہلِ مسیحیت کی جو ناگفتہ بہ حالت ہے اُسے دیکھ کر وہ کیا کہے گا۔ مجھے اُس وقت ایک منظوم کلام ملا جو میں آپ سے بھی بانٹنا چاہتا ہوں اور اصل میں جو کچھ میں اس مضمون کے نیچے لکھنا چاہتا ہوں وہ سب کچھ اسی میں شامل ہے۔

## "کیا دیکھ رہا ہوں"

تجھ میں جھگڑے وفسادات ، یہ کیا دیکھ رہا ہوں
سب کے اپنے ہی مفادات ، یہ کیا دیکھ رہا ہوں

یہ تیرے گیت تھے جانے کو ہوں تیار مسیحا
پھر تیرے نفرتی حالات ، یہ کیا دیکھ رہا ہوں

تجھ میں موجود یہوداہ ہیں سفیرہ و حننیاہ
سب کے منفی ہی خیالات ، یہ کیا دیکھ رہا ہوں



نوجواں مرد وخواتین تجھے ناز ہے جن پہ
کوڑے کے ڈھیر پہ بن ہوش ، یہ کیا دیکھ رہا ہوں

مقدس کے بھی ہو میرے بھی تم آج سوداگر
یہ دکھاوے کی عبادات ، یہ کیا دیکھ رہا ہوں

پُلپٹ پہ ہو کچھ اور و پنڈال میں کچھ اور
ظاہری رسم وروایات ، یہ کیا دیکھ رہا ہوں

پھاڑ ڈالا ہے بدن میرا اے مسیحو تم نے
تم میں کثرتِ بدعات ، یہ کیا دیکھ رہا ہوں

تجھ کو تیار تھا ہونا یہ تقاضا تھا وقت کا
تیری کال نہیں کوئی بات ، یہ کیا دیکھ رہا ہوں

میری دعا تھی تیری بابت کہ تم ایک ہو جاؤ
پر تیرے منہ پہ خرافات ، یہ کیا دیکھ رہا ہوں

غیر کے مال پہ تم نے یہ سجائی ہے دکاں
بُت پرستی کی سی عادات ، یہ کیا دیکھ رہا ہوں

میرے احکام کو تم بھول کے ہو کھینچتے سیڑھی
کھوکھلی تیری ہیں عبادات ، یہ کیا دیکھ رہا ہوں

بغل میں کرپان لئے ہونٹوں سے مجھے چومنے والو
کیا یہی ہے تیری اوقات ، جو یہ دیکھ رہا ہوں

ظاہری دانت تیرے اور ہیں کھانے کے تیرے اور
یہ تیرے مطلبی جذبات ، میں کیا دیکھ رہا ہوں

تیری پوشاک تو کیا دل بھی نہیں ہے تبدیل
تیرے بگڑے ہوئے حالات ، یہ کیا دیکھ رہا ہوں

ہوا گھائل بھی ہوں مصلوب بھی یہ بتا کس کے لئے میں
تیری ابلیس کی سی حرکات ، یہ کیا دیکھ رہا ہوں

بھیڑ کی کھال میں تم آج نویدؔ بھیڑ ہو لیکن
تجھ میں پھر بھیڑیا عادات ، یہ کیا دیکھ رہا ہوں

☆☆☆

## (۷) کلیسیاؤں میں مضمون ہذا پر ٹیچنگ و ٹریننگ کا بحران:

اس موضوع پر تھوڑا سا پہلے بھی میں کہہ چکا ہوں اور اگر کچھ نہیں کہا تو یہ کہ ہماری کلیسیاؤں میں بے شمار کونینشنز اور سیمینارز و کروسیڈز ہوتے ہیں لیکن مجھے نہیں معلوم کہ کبھی اس موضوع پر بھی کوئی سیمینار ہم کرتے ہوں کہ غیر مسیحی لوگوں تک ہم انجیل کیسے پہنچائیں۔ یہی سبب ہے کہ ہمارے لوگ اس موضوع سے متعلق نہیں جانتے۔ لہٰذا میں اسی لئے آپ کے اندر بھی یہ تحریک پیدا کر رہا ہوں کہ آپ غیر مسیحیوں کے لئے بوجھ رکھیں اور اُن تک رسائی کرنے والے ہوں اور آئندہ کے لئے اس موضوع پر بھی سیمینارز کریں تا کہ ہمارے مسیحی لوگ اس اہم موضوع سے متعلق بھی جان سکیں۔ سکھانا ہمارا کام ہے اور کرنا یا نہ کرنا اُن مسیحیوں کا کام ہے جن کو ہم تربیت دیں گے۔

میری دلی دعا ہے کہ خداوند ممکن بنائے کہ یہ تحریر آپ کی بشارتی غیرت کو جگانے والی اور کلیسیائے پاکستان میں بیداری لانے کا سبب ٹھہرے۔ خداوند آپ کو اپنی برکات سے معمور کرے اور اپنے جلال، عزت اور بزرگی کے لئے استعمال کرے۔ (آمین)



# کتابیات


کتاب مقدس (بائبل)
قاموس الکتاب
دعا گو ہائیڈ
قرآن حکیم
تقلید المسیح
جعلی انجیل برنباس
تبصرۂ انجیل برنباس
این۔ایل۔آئی کا مواد
او۔ٹی۔ایس کے کورسز

Fishers of Men
Christ for Real
Let the Nations be Glad
The Sign

# مصنف کی دیگر کاوشیں

| | | | |
|---|---|---|---|
| (1) | توراۃ، زبور، صحائف الانبیاء کا مختصر جائزہ | | مصنف |
| (2) | میرے لوگوں کو تسلی دو | | مصنف |
| (3) | دُشمن سے محبت | (پمفلٹ) | مصنف |
| (4) | سُپر پاور صرف ایک ہی ہے | (پمفلٹ) | مصنف |
| (5) | نویدِ آزادی | (پمفلٹ) | مصنف |
| (6) | نشان | | مترجم |
| (7) | عہدِ جدید کی اخلاقی تفسیر | | مترجم |
| (8) | دُعائے عمیق | | مترجم |
| (9) | سورماؤں پر کیسے غالب آئیں | | مترجم |
| (10) | وضاحت الایمان | | مترجم |
| (11) | جی اُٹھنا | | مترجم |
| (12) | زندگی میں بادشاہی کرنا | | مترجم |
| (13) | فرمانبرداری کی زندگی | | مترجم |
| (14) | تثلیث کیا ہے؟ | | مترجم |
| (15) | بائبل تبدیل ہو گئی؟ | | مصنف |
| (16) | آخرت آنے والی ہے | | مترجم |
| (17) | کتابِ مقدس میں شہروں کا مقام | | مترجم |
| (18) | ابدیت کا نقشہ | | مترجم |
| (19) | گردن پہ لہو | (اردو) | مصنف |
| (20) | Let The Nation Here | (English) | مصنف |



درج ذیل کتب کے لئے دیئے گئے پتہ پر رجوع کریں!

ای۔ایل۔ایس بک شاپ۔ سیلویشن آرمی سینٹر
ایمپریس مارکیٹ